العطايا النعيمية في الفتاوى النورية

اہل سنت کا نشان
ماہنامہ بقیع کراچی
JUNE 2024
مفت سلسلہ اشاعت نمبر 360
Regd. # MC-1177

فتاویٰ عطائے اہل سنّت

(حصّہ اوّل)

مُصنّف
شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ
(شیخ الحدیث جامعۃ النور و رئیس دار الإفتاء النور)

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان
Ph : 021-32439799 Website : www.ishaateislam.net
نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

العَطايَا النعِيميَّةِ فِي الفَتاوى النُّوْرِية

فتاوی عطائے اہل سنت

(حصہ اوّل)

مُصنّف

شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ

(شیخ الحدیث جامعۃ النّور ورئیس دار الإفتاء النّور)

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	العَطايَا النعِيمِيَّة فِي الفَتاوى النُّوْرِية
		فتاویٰ عطائے اہل سنت (حصہ اوّل)
سن اشاعت	:	ذوالحجۃ ۱۴۴۵ھ / جون 2024ء
ناشر	:	جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان)
		نور مسجد، کاغذی بازار میٹھادر، کراچی
		فون: 021-32439799
خوشخبری	:	یہ رسالہ www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

فہرست فتاویٰ

نمبر شمار	فتاویٰ	صفحہ
1	پیش لفظ	6
2	خشک ناپاک کپڑا پہننا	9
3	شک کی وجہ سے بار بار وضو کرنا	10
4	ناپاک پانی سے وضو کرنے والے کو بتانا	14
	دس دنوں سے زیادہ خون آنا	14
5	وقت سے پہلے اذان دینا	16
6	نماز میں ثناء کی جگہ تشہد پڑھنا	19
7	امام کا بلاضرورت سجدہ سہو کرنا	21
8	امامت پر تنخواہ لینا	25
9	نمازِ عید میں زائد تکبیریں فوت ہونا	28
10	گیس لائٹ یا موم بتی کے سامنے نماز پڑھنا	30
11	دعائے ثانی کے بعد مصافحہ کرنا	31
12	تراویح فاسد ہو جائے تو تلاوت دُہرانا	43
13	قعدۂ اُولیٰ میں بُھول کر سیدھا کھڑا ہونا	44
14	مسبوق باقی نماز کیسے پوری کرے؟	47
15	روزے میں بھول کر کھانا پینا	52
16	ما یقول العلماء فی من خلف القران	55
17	بیوہ بھابھی اور چچازاد بھائی سے نکاح کرنا	56
18	شادی شُدہ عورت سے نکاح کرنا	58
19	بیوی کی بھانجی سے نکاح کرنا	66

69	طلاقِ مغلّظہ کے ساتھ رہنے کی جائز صورت	20
73	مختلف وقتوں میں طلاق دینا	21
79	تین طلاقیں لکھ کر بھیجنے کا حکم	22
80	تین بار "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" کہنے کا حکم	23
83	طلاقِ رجعی کے بعد تین ماہ سے زائد عرصہ گزرنا	24
86	بیوی کی نسبت تین بار طلاق دیتا ہوں کہنے کا حکم	25
87	ایک سے زائد بچہ جننے کی عدت	26
87	حاملہ عورت کی عدت	27
88	عدت میں پردہ	28
89	بیمہ پالیسی کا حکم	29
96	سیونگ سرٹیفکیٹ پر ملنے والا نفع	30
98	زیادہ مال کی خریداری پر کمیشن دینا	31
99	شوہر اور بیوی کی آمدنی میں فرق نہ ہونا	32
100	مسجد پر وقف مکان کو بیچنا	33
104	ذبح کے وقت گردن الگ ہونا	34
110	مفقود الخبر کی وراثت	35
114	بیوہ، چار بیٹوں اور تین بیٹیوں میں تقسیمِ ترکہ	36
116	چار بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیمِ وراثت	37
118	مناسخہ	38
121	بیوہ، دو بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیمِ ترکہ	39
122	قرآن میں سات منزلیں کیوں اور ہر منزل کی حد	40
123	آیاتِ شفاء کتنی اور کون سی ہیں؟	41

42	دورانِ وعظ درود پڑھنے کا حکم دینا	125
43	ملائکہ کے ناموں پر بچوں کے نام رکھنا	126
44	غیر صحابی کے ساتھ رضی اللہ عنہ لگانا	127
45	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام	128
46	ماخذ و مراجع	131

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ مجید وفرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل:۱۶/ ۴۳)

ترجمہ: اہلِ علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ (کنزالایمان)

مذکورہ آیتِ مبارکہ پر اوائل یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دورِ مبارک سے ہی مسلمانوں کا عمل شاہد ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب حاضر ہوتے مسائل جاننے کی غرض سے مختلف سوال کرتے اور یہ معاملات دنیا وآخرت کے مختلف شعبہ جات سے متعلق ہوتے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ان کے جوابات عطا فرماتے بلکہ ایسی بھی احادیث مطالعہ میں آئیں کہ خود آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا میرے صحابہ تم یہ پوچھو کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔

مذکورہ آیت کے الفاظ کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مسئلہ کا علم نہ ہو اس بارے میں علماء سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک شخص کی وفات کا سبب سُن کر) ارشاد فرمایا "جب (رُخصت کے بارے) میں انہیں معلوم نہ تھا تو انہوں نے پوچھا کیوں نہیں کیونکہ جہالت کی بیماری کی شفاء دسوال کرنا ہے۔ (سُنن أبي داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی المجروح، ۱/ ۱۵۴، رقم الحدیث:۳۳۶)

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے علم پر خاموش رہے اور جاہل کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنی جہالت پر خاموش رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

یعنی اے لوگو! اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔ (الدرالمنثور، النحل، تحت الآیۃ: ۴۳، ۵/ ۱۳۳)

اور تحریری صورت میں اہلِ اسلام کا علماء ومفتیانِ کرام کی بارگاہ میں سوال کرنا اور مفتیانِ عظام کا جواب مرحمت فرمانا قدیم دستور ہے اور اسے فتاویٰ جات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ بھی کُتُبِ فقہ کی ایک قسم ہے۔ عرصہ دراز سے مسلمانانِ عالم کی دلچسپی عام کُتُبِ فقہ سے ہٹ کر اس قسم سے یعنی فتاویٰ جات کی طرف ہوئی جس کے سبب علماء کا رُجحان اس سمت زیادہ ہوا اور یہ سلسلہ جاری ہوا کہ مفتیانِ کرام سے جو سوال تحریری طور پر کئے جاتے ان کا مجموعہ بنایا جاتا تاکہ ہر عام وخاص اس سے فیض حاصل کرسکے اور یہ چیز انسان کی طبیعت میں شامل ہے کہ سوال پڑھنے کے فوراً بعد یہ جستجو پیدا ہوتی ہے کہ آیا اس کا جواب کیا ہوگا؟

عطائے ملّت حضور اُستاذِ گرامی شیخ الحدیث ومفتی ڈاکٹر محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ وشرفہ ایک عظیم عالم ومفتی ہیں جن کی طرف سائلین کا رجحان ہے کہ وہ معتمد بھی ہیں اور مستند بھی، عرصہ دراز سے آپ سائلین کے تحریری جوابات ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ کے دیئے گئے تحریری فتاویٰ جات مسلمانوں کے لئے قیمتی سرمایہ سے کم نہیں چونکہ آپ کی مصروفیت کے سبب ان فتاویٰ جات کو باقاعدہ ترتیب نہیں دیا جاسکا سوائے فتاویٰ حج وعمرہ کے، اس کے بھی مختلف سالوں میں اب تک بیس حصے شائع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر

کچھ موضوعات پر تحریر شدہ فتاویٰ شائع ہوئے جیسے "طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم" اور "اولاد کو زندگی میں ہبہ کرنے کا حکم" وغیرہما تو اس لئے ارادہ بنا کہ جو فتاویٰ جات ہیں انہیں چھاپنے کا اہتمام کیا جائے وبعدہ بترتیب پورا مجموعہ کو بھی موضوع وباب کے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

ہمیں بڑی مُسرت ہے کہ ہمیشہ سے یہ قلبی خواہش رہی کہ اُستادِ محترم کے فتاویٰ جات لوگوں تک پہنچیں تا کہ عوامُ النّاس وخواص یعنی علماء بھی اس سے مستفید ہوں کہ آپ کے فتاویٰ جات میں علم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اُستادِ محترم کے علم وعمل میں خوب خوب اضافہ فرمائے اور ان کے فیض سے ہمیں مستفید فرمائے۔

ادارہ جمعیّت اشاعتِ اہلسنّت پاکستان اس فتاویٰ جات کے پہلے حصے کو اپنے سلسلۂ اشاعت کے ۳۶۰ ویں نمبر پر شائع کر رہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے وطفیل استاد محترم، جملہ معاونین واشاعت کاران کی اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کی دینی وعلمی خدمات میں روز افزوں ترقی فرمائے۔ آمین

محمد جنید عطاری نعیمی

(مفتی) دارالافتاء النور، جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

خشک ناپاک کپڑا پہننا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ پاجامہ میں احتلام ہوگیا اور بعد میں احتلام سوکھ گیا، پھر اُسی پاجامہ کو پہن لیا تو اس سے آدمی ناپاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ تحریر کیا جائے، بشکل فتوی کسی کو بتانا ہے۔ (سائل: شاہد رضا، ثقافی مقام گیا)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں بدن پاک رہے گا، ہاں اگر پسینہ وغیرہ کی وجہ سے وہ ناپاک جگہ تَر ہوگئی (یعنی بھیگ گئی) اور پھر اس سے بدن تَر ہوگیا تو بدن ناپاک ہوجائے گا۔

چنانچہ فقیہ النفس علامہ حسن بن منصور اُوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: إذا نام الرّجلُ عَلى فِراشٍ أصابه مَنِيٌّ وييسَ فعرِق الرّجلُ وَابتلّ الفراشُ مِن عرقِه إن لَم يَظهرْ أثرُ البللِ في جَسده لَا يَتنجّسُ بَدنُه وإنْ كانَ العرقُ كَثيرًا حَتّى ابتلَّ الفِراشُ ثُمّ أصابَ ذلكَ الفراش جسدهُ فظهَر أثرُه فِي جَسدِه تَنجّسَ بدنُه. (1)

یعنی، جب کوئی شخص بستر پر سوئے اور اُسے مادہ منویہ پہنچے اور وہ خشک ہوجائے پھر اس شخص کو پسینہ آئے جس کے سبب بستر بھیگ جائے، اگر تری کا اثر اُس شخص کے بدن پر ظاہر نہ ہو، تو اُس کا بدن ناپاک نہیں ہوگا اور اگر پسینہ کثیر ہو یہاں تک کہ بستر بھیگ جائے، پھر وہ بستر اُس کے جسم کو پہنچے اور اُس کا اثر بدن پر ظاہر ہوجائے، تو اُس کا بدن نجس ہوجائے گا۔

---

(1) فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ، کتاب الطھارۃ، فصل فی النجاسۃ التی تصیب الثوب إلخ، ۱/۲۶

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: نجس کپڑا پہن کر یا نجس بچھونے پر سویا اور پسینہ آیا، اگر پسینہ سے وہ ناپاک جگہ بھیگ گئی پھر اُس سے بدن تر ہو گیا تو ناپاک ہو گیا ورنہ نہیں۔ ❶

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

شک کی وجہ سے بار بار وضو کرنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں ایک نماز میں دس دس مرتبہ وضو کرتا ہوں، مجھے اپنے اوپر یقین نہیں آتا کہ میرا وضو ٹوٹا ہے یا نہیں میں ان وسوسوں میں بار بار وضو کرتا رہتا ہوں مجھے اپنے اوپر شک ہی رہتا ہے کہ وضو ٹوٹ گیا ہے۔ آپ مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟

(سائل: از جے۔ ون ۳۸۷/۷ کے ایریا کورنگی نمبر ۵، کراچی نمبر ۳۱)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب آپ ایک مرتبہ وضو کر لیں تو جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو تو وسوسوں کی وجہ سے ہرگز وضو نہ کریں کہ محض شک وشبہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور ایسی صورت میں احتیاطاً وضو کر لینا احتیاط نہیں بلکہ شیطان مردود کی اطاعت ہے جس کی ممانعت وارد ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ❷

ترجمہ، شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ (کنز الایمان)

یعنی اس کے وساوس وشبہات میں نہ آؤ۔ ❸

اور شک سے وضو نہ ٹوٹنے پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زید رضی

---

❶ بہارِ شریعت، نجاستوں کا بیان، ۱/۲/۳۹۲

❷ البقرۃ: ۲/۲۰۸

❸ خزائن العرفان، ص ۵۸

اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اُنہیں نماز کے درمیان وضو ٹوٹنے کا شک لاحق رہتا ہے تو آپ نے فرمایا: «لَا يَنْصَرِفُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا». ❶

یعنی، اُس وقت تک نماز نہ توڑو، جب تک کہ تمہیں بدبو محسوس نہ ہو جائے یا تم آواز نہ سن لو۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا، فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا، فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّىٰ يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا». ❷

یعنی، جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اُسے شک ہو جائے کہ اُس کے پیٹ میں سے کچھ نکلا ہے یا نہیں تو اُس وقت تک مسجد سے باہر نہ جائے جب تک کہ ریح کی بدبو یا آواز محسوس نہ ہو۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں: هذا الحديث أصلٌ من أصول الإسلام وقاعدةٌ عظيمةٌ من قواعد الفقه وهي أنّ الأشياء يُحكم ببقائها على أصولها حتى يُتيقّن خلافُ ذلك ولا يضرُّ الشكُّ الطّارئُ عليها، فمِن ذلك مَسألة الباب الّتي ورد فيها الحديثُ، وهي أنّ من تيقّن الطّهارة وشكّ في الحَدَث حُكِم ببقائه على الطّهارة، ولا فرقَ بين حُصول هذا الشكِّ في نفس الصّلاة وحصولِهِ خارجَ الصّلاة۔ ❸

یعنی، اس حدیث میں اسلام کے اُصول اور قواعد فقہ میں سے ایک عظیم اصل اور قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اشیاء کو اُن کی اصل پر باقی رکھنے کا حکم کیا جاتا ہے حتی کہ

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی أنه من تیقن الطهارة إلخ، برقم: ۱،۳۶۱/ ۲۷۶

❷ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی أنه من تیقن الطهارة إلخ، برقم: ۱،۳۶۲/ ۲۷۶

❸ المنهاج شرح صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی أن من تیقن الطهارة إلخ، ۲/ ٤/ ٤٣

اس کے خلاف یقین حاصل ہو جائے اور اگر اس کی اصلی حالت کے خلاف شک پیدا ہو تو وہ شک اس میں کوئی ضرر نہیں دے گا، اس باب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے جو حدیث میں وارد ہوا کہ جس کو طہارت کا یقین ہو اور حدث میں شک ہو تو اُس کی طہارت باقی رہنے کا حکم دیا جائے گا اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ یہ شک نماز میں ہو یا خارجِ نماز۔

اور مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے کہ اس کے پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوئی لیکن بو محسوس نہ ہوئی، ہوا کے نکلنے کا یقین نہ ہوا، یونہی شبہ سا ہو گیا تو شبہ کا اعتبار نہ کرو، وہ باوضو ہے، نماز پڑھے جائے۔ آواز سننے سے مراد ہے نکلنے کا یقین۔ اس سے معلوم ہوا کہ یقینی وضو مشکوک حدث سے نہیں جاتا، ہمیں یقین ہے کہ ظہر کے وقت ہم نے وضو کیا تھا مگر ٹوٹنے کا صرف شبہ ہے یقینی نہیں تو ہمارا وضو باقی ہے۔ (1)

اسی سے علمائے کرام نے یہ قاعدہ بنایا کہ "شک سے یقین زائل نہیں ہوتا"۔

چنانچہ امام ابو الحسن عبید اللہ بن حسین کرخی حنفی متوفی ۳۴۰ھ، امام ابو بکر احمد بن علی بغدادی متوفی ۴۶۳ھ اور علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: اليقينُ لا يَزول بالشكّ- [واللفظ للأخيرين] (2)

یعنی، یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا۔

اور اسی لئے فقہائے احناف نے لکھا کہ شک سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

چنانچہ امام ابو یعقوب یوسف بن علی جرجانی حنفی متوفی بعد سنۃ ۵۲۲ھ، امام

---

(1) مرآۃ المناجیح، پاکی کی کتاب، وضو واجب کرنے والی چیزوں کا باب، پہلی فصل، ۱/ ۲۳۹

(2) أصول الكرخي مع شرحه للنسفي، القاعدة الأولى، ص۹۳، الفقيه و المتفقه، باب الكلام في استصحاب الحال، ۱/ ۵۲۷، الأشباه و النظائر، القاعدة الثالثة، ص۵۶

نجم الدین ابو حفص عمر نسفی حنفی متوفی ۵۳۷ھ، امام سراج الدین علی بن عثمان حنفی متوفی ۵۶۹ھ اور علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: من أيقنَ بالطّهارة وشكّ في الحدَثِ فهو على طهارة ومن أيقن الحدث وشكّ في الطّهارة فهو على الحدثِ- [واللفظ للثالث] (1)

یعنی، جس کو طہارت کا یقین ہو اور حَدَث میں شک ہو تو وہ طہارت پر ہے اور جس کو حَدَث کا یقین ہو اور طہارت میں شک ہو تو وہ حَدَث پر ہے۔

اور امام اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: ہمارے امام اعظم کے شاگردِ جلیل سیّدنا عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: إذا شكّ في الحدَث فإنّه لا يجبُ عليه الوضوءُ حتّى يَستَيقِن استيقانًا بقدر أن يحلّف عليه- علّقه عنه الترمذی فی باب الوُضوء مِن الرِّيح. یعنی، یقین ایسا درکار ہے جس پر قسم کھا سکے کو ضرور حَدَث ہوا اور جب قسم کھاتے ہچکچائے تو معلوم ہوا کہ معلوم نہیں مشکوک ہے اور شک کا اعتبار نہیں کہ طہارت پر یقین تھا اور یقین شک سے نہیں جاتا۔ "ترمذی" (2) نے "باب الوضوء من الريح" میں اسے ابن مبارک سے تعلیقًا روایت کیا ہے۔ (3)

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: جو باوُضو تھا اب اسے شک ہے کہ وُضو ہے یا ٹوٹ گیا تو وُضو کرنے کی اسے ضرورت نہیں۔ ہاں کر لینا بہتر ہے جب کہ یہ شُبہہ بطورِ وسوسہ نہ ہوا کرتا ہو اور اگر وسوسہ ہے تو اسے ہرگز نہ مانے، اس صورت میں اِحتیاط سمجھ کر وُضو کرنا اِحتیاط نہیں بلکہ شیطانِ لعین

---

(1) خزانة الأكمل، كتاب الصلاة، ١/ ٣٥، شرح أصول الكرخي، القاعدة الأولى، ص٩٣، الفتاوى السراجية، كتاب الطهارة، ص٣، الدر المختار، كتاب الطهارة، ص٢٥

(2) سُنن الترمذي، أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الريح، ١/ ٦٤

(3) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، ۱/ب/۱۰۳۹

کی اطاعت ہے۔ (1)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الأربعاء،٦/ شعبان،١٤٢٥ھ-١/ جنوری،٢٠٠٥م

JIA-659

ناپاک پانی سے وضو کرنے والے کو بتانا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص لاعلمی میں ایسے پانی سے وضو کررہا ہو جو ناپاک ہو اور دوسرا شخص جانتا ہو کہ یہ ناپاک ہے تو اُسے وضو کرنے والے کو بتانا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں جاننے والے پر فرض ہے کہ وہ ناپاک پانی سے وضو کرنے والے کو آگاہ کردے کہ یہ ناپاک ہے۔

چنانچہ علامہ علی بن عبد اللہ طوری حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں: تَوضأ مِن ماءٍ نَجسٍ، وَهُنَاكَ مَنْ يَعلمُ نَجاسَتَهُ يفتَرِضُ عَلَيهِ الإعلامُ. (2)

یعنی، کسی نے نجس پانی سے وضو کیا اور وہاں وہ ہے جو اس کا نجس ہونا جانتا ہے تو اُسے بتانا فرض ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

دس دنوں سے زیادہ خون آنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی عورت کو عادت سے زائد ایام خون آجائے اور پھر خون دس دنوں کو تجاوز بھی کرجائے، اس صورت میں کیا عادت سے زائد ایام میں آنے والا خون حیض شمار ہوگا؟

---

(1) بہار شریعت، وضو کا بیان، ۱/۲/۳۱۱

(2) ذخیرۃ الناظر فی الأشباہ والنظائر، کتاب الطھارۃ، باب الأنجاس، ص ٦٠

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں عادت کے دنوں سے زائد آنے والا خون حیض نہیں، استحاضہ شمار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ عادت کے بعد والے دنوں میں چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا واجب ہے۔

چنانچہ علامہ ابو الحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:
وإذا زادَ الدّم عَلى عَشرة أيّامٍ، وللمرأة عادةٌ معروفةٌ رُدّتْ إلَى أيّام عَادتها ومَا زادَ علَى ذلكَ فهو استحاضةٌ. (1)

یعنی، خون دس دنوں سے زائد آجائے اور عورت کی عادت مقرر ہو تو حیض کو ایام عادت کی طرف لوٹایا جائے اور عادت کے دنوں سے زائد آنے والا خون استحاضہ ہے۔

اس کے تحت علامہ ابو بکر بن علی حدادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں:
وفائدةُ ردّها أنّهَا تؤمرُ بقَضاء ما ترَكتْ مِن الصّلاة بعدَ العادةِ. (2)

یعنی، اور اس لوٹانے کا فائدہ یہ ہے کہ عورت کو عادت کے بعد چھوڑی ہوئی نمازیں قضا کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

اور علامہ ابو بکر بن علی حدادی حنفی لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: إن جاوزَ العَشرة ففِي المبتَدأة حيضُهَا عشرةُ أيّامٍ وفِي المعتادَة مَعروفتُها فِي الحيضِ حيضٌ والطُّهر طهرٌ. (3) [واللفظ للهندية] (4)

---

(1) مختصر القدوری، کتاب الطھارۃ، باب الحیض، ص۱۹-۲۰

(2) الجوھرۃ النیرۃ، کتاب الطھارۃ، باب الحیض، مطلب فی الاستحاضۃ، ۱/ ۹۴

(3) السراج الوھاج، کتاب الطھارۃ، باب الحیض، ق۹۵/ ب

(4) الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الطھارۃ، الباب السادس فی الدماء المختصۃ بالنساء، الفصل الاول فی الحیض، ۱/ ۳۷

یعنی، اگر خون دس دنوں سے بڑھ جائے تو جس عورت کو پہلی بار حیض آیا ہو تو دس دن تک حیض ہے اور عادت والی ہو تو اس کی عادت کے دن حیض ہیں اور باقی پاکی کے ہیں۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: دس رات دن سے کچھ بھی زِیادہ خون آیا تو اگر یہ حیض پہلی مرتبہ اسے آیا ہے تو دس دن تک حیض ہے بعد کا اِستحاضہ اور اگر پہلے اُسے حیض آچکے ہیں اور عادت دس دن سے کم کی تھی تو عادت سے جتنا زِیادہ ہو اِستحاضہ ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ اس کو پانچ دن کی عادت تھی اب آیا دس دن تو کل حیض ہے اور بارہ دن آیا تو پانچ دن حیض کے باقی سات دن اِستحاضہ کے۔ [1]

والله تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۱۸/ مارچ، ۲۰۲۰م

وقت سے پہلے اذان دینا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وقت داخل ہونے سے قبل قصداً اذان دے دی جائے تو ایسی مسجد میں جماعت کا کیا حکم ہے نیز اگر اذان قبل از وقت خطأً دی گئی تو جماعت کا کیا حکم ہوگا؟ کچھ لوگ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وقت شروع ہونے سے قبل اذان دینے کے لئے کہتے ہیں اوران کی بات نہ ماننے کی صورت میں جھگڑا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ بینوا تؤجروا۔ (سائل: انتظامیہ، بسم اللہ مسجد، ہجرت کالونی، کراچی)

---

[1] بہار شریعت، طہارت کا بیان، حیض کا بیان، ۱/ ۳۷۲

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: وقت شروع ہونے سے قبل اذان دینا جائز نہیں، اگر دے دی گئی تو اس کا اعادہ لازم ہے۔ چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: ولا يؤذّن لصلاةٍ قبل دخولِ وقتها ويُعاد في الوقتِ. ❶
یعنی، نماز کا وقت شروع ہوئے بغیر اذان نہیں ہوتی۔ اگر دے دی گئی تو وقت داخل ہونے پر دوبارہ دی جائے گی۔

اور علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: وسَببه دخول الوقتِ وهُو شرط لهُ. ❷
یعنی، اذان کا سبب وقت کا شروع ہونا ہے اور وقت اذان کے لئے شرط ہے۔ (یعنی وقت کے شروع ہونے سے پہلے اذان نہ ہوگی)

اور علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: تقديمُ الأذانِ على الوقتِ في غيرِ الصّبح لا يجوزُ اتفاقًا وكذا في الصّبح عندَ أبي حنيفةَ ومحمدٍ رحمهما الله تعالى وإن قُدّم يعادُ في الوقتِ هكذا في شرحِ مجمعِ البَحرين لابنِ الملك وعليه الفَتوى هكذا فِي التّتارخانيّة ناقلًا عنِ الحُجّة. ❸
یعنی، صبح کے علاوہ اور نمازوں میں وقت سے پہلے اذان دینا بالاتفاق جائز نہیں اور اسی طرح فجر کی اذان وقت سے پہلے کہنا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں۔ اگر وقت شروع ہونے سے قبل اذان دے دی تو وقت شروع ہونے پر دوبارہ اذان دی جائے۔ اسی طرح ابن ملک کی "شرح مجمع البحرین" ❹

---

❶ الهداية، كتاب الصلاة، باب الأذان، ١/ ٥٣، مطبوعة: دار الأرقم، بيروت
❷ مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص٧٦
❸ الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، ١/ ٥٣
❹ شرح مجمع البحرين، كتاب الصلاة، فصل فی الأذان، ق٢٨/ ب

میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ "التاتارخانیہ" ❶ میں "حجۃ" ❷ کے حوالے سے منقول ہے۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقارالدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ وقت سے پہلے اذان کے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: وقت سے پہلے جو اذان دی گئی اور اس کا اعادہ نہیں کیا گیا یہ ناجائز کام کیا گیا، اس سے توبہ کی جائے۔

اور لکھتے ہیں: اگر وقت سے پہلے کوئی اذان دی گئی تو وقت ہونے کے بعد دوبارہ اذان دینا ضروری ہے۔ ❸

اور اس طرح دی گئی اذان پر نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ نماز کا اعادہ نہیں، پڑھنے والے گنہگار ہوں گے۔ جب وقت سے پہلے دی ہوئی اذان، اذان نہیں تو اس طرح دی گئی اذان پر نماز پڑھنا گویا کہ بلا اذان نماز پڑھنا ہے۔

چنانچہ فقیہ النفس علامہ حسن بن منصور اُوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ نظام الدین حنفی اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ويُكره أداءُ المكتوبةِ بالجماعةِ في المسجدِ بغيرِ أذانٍ وإقامةٍ. ❹

یعنی، فرض نماز بغیر اذان واقامت مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔

---

❶ الفتاوى التاتارخانية،كتاب الصلاة،نوع آخر في بيان الصلوات التي لها أذان إلخ،٢/ ١٤٨

❷ (قال في لآلئ المحار: لم أقف عليها) لآلئ المحار في تخريج مصادر ابن عابدين،فتاوى الحجة،١/ ٤١٦

❸ وقار الفتاویٰ، اذان کا بیان، ۲/ ۲۴۔۲۵، مطبوعہ: بزم وقار الدین، کراچی

❹ فتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية،كتاب الصلاة،باب الأذان،مسائل الأذان، ١/ ٧٨، الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب الثاني في الأذان،الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن،١/ ٥٤

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: مسجد میں بلا اذان و اقامت جماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ ❶

اور مفتی محمد وقار الدین حنفی لکھتے ہیں: نماز اگر وقت کے بعد پڑھی گئی تو ہو جائے گی مگر بغیر اذان دیئے (یعنی قبل از وقت دی گئی اذان کا اعادہ کئے بغیر) نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح یہ نماز مکروہ ہوئی۔ اس کا اعادہ ضروری نہیں، مگر پڑھنے والے گنہگار ہوں گے۔ ❷

لہٰذا اگر دخول وقت سے قبل اذان دی جاتی ہے تو اس امر کو ترک کیا جائے کہ یہ گُناہ ہے اور نماز ہو جائے گی مگر اس میں کراہت ہے، ان نمازوں کا اعادہ لازم نہیں اور جو لوگ ایسا کرنے پر مُصر ہیں ان کی اصلاح کی جائے اور اس ناجائز کام میں ان کا کہنا نہ مانا جائے۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ١٧/ رمضان المبارك، ١٤٢٢ھ-٣/ دسمبر، ٢٠٠١م

JIA-176

نماز میں ثناء کی جگہ تشہد پڑھنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں ثناء کے بجائے تشہد پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں بغیر سجدہ سہو لازم ہوئے نماز ہو جائے گی کیونکہ ثناء سورۂ فاتحہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھنے پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

---

❶ بہار شریعت، اذان کا بیان، ۱/۳/۴۶۴

❷ وقار الفتاویٰ، اذان کا بیان، ۲/۲۵

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی جماعت نے لکھاہے:وَلَوْ قَرَأَ التشهّدَ فِي القِيامِ إنْ كانَ فِي الركعة الأولَى لَا يَلزَمُهُ شَيء وإنْ كانَ فِي الرّكعة الثّانية اختلفَ المشايخُ فِيه، وَالصّحيحُ أنّهُ لا يَجبُ، كذَا فِي الظهيريّة، ولَو تشهّد في قيامه قبلَ قراءة الفاتحة فلا سهو عَليه. ❶
یعنی، اگر کسی نے پہلی رکعت کے حالتِ قیام میں تشہد پڑھ لیاتو اُس پر کچھ لازم نہ ہوگااوردوسری رکعت کے قیام میں پڑھ دیاتواس میں فقہائے کرام کااختلاف ہے،اور صحیح یہ ہے کہ کچھ واجب نہ ہوگا،اسی طرح"الظہیریۃ"❷ میں ہے اوراگر کسی نے قیام میں سورۂ فاتحہ سے قبل تشہدپڑھ لیاتواُس پر سجدۂ سہولازم نہیں ہوگا۔

اوراگرنمازی بھول کرسورۂ فاتحہ کے بعدتشہد پڑھ لے تواُس پر سجدۂ سہولازم ہوگا،سوائے فرض کی تیسری اورچوتھی رکعت کے۔چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی اورعلمائے ہندکی ایک جماعت نے لکھاہے: ولو تشهّد فِي قِيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهوَ عليه وبعدَها يلزمُه سُجود السهو وهو الأصحّ؛ لأنّ بعد الفاتحة محلّ قراءةِ السّورة فإذَا تشهّد فيه فقدْ أخّرَ الواجبَ وقبلها محَلّ الثّناء، كَذا فِي التّبيينِ وَلَوْ تشهّد فِي الأخريَينِ لَا يلزَمه السهوُ، كذَا فِي مُحِيْط السّرخسِيّ. ❸
یعنی،اگرکسی نے قیام میں سورۂ فاتحہ سے قبل تشہدپڑھ لیاتواُس پرسجدۂ سہولازم نہیں ہوگاجبکہ فاتحہ کے بعدپڑھنے پرسجدۂ سہولازم ہوگااوریہی اصح قول ہے،کیونکہ سورۂ

---

❶ الفتاوی الھندیة،کتاب الصلاۃ،الباب الثانی عشر فی سجود السھو،۱/ ۱۲۷
❷ الفتاوی الظھیریة،کتاب الصلاۃ،الباب الرابع فی الترتیب وقضا المتروکات إلخ،الفصل الثانی فی الوتر والسھو،نوع آخر فی السھو،ق۳۲/ الف
❸ الفتاوی الھندیة،کتاب الصلاۃ،الباب الثانی عشر فی سجود السھو،۱/ ۱۲۷

فاتحہ کے بعد سورت کی تلاوت کا محل ہے، پس جب وہ اس میں تشہد پڑھے گا تو واجب کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی اور فاتحہ سے قبل ثناء کا محل ہے، اسی طرح "تبیین الحقائق" ❶ میں ہے اور اگر پچھلی دو رکعتوں میں تشہد پڑھا تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہو گا، اسی طرح "محیط السرخسی" میں ہے۔ ❷

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: پہلی دو رکعتوں کے قیام میں الحمد کے بعد تشہد پڑھا سجدۂ سہو واجب ہے اور الحمد سے پہلے پڑھا تو نہیں۔ پچھلی رکعتوں کے قیام میں تشہد پڑھا تو سجدہ واجب نہ ہوا۔ ❸

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱۹، شوال المکرم ۱۴۲۱ھ-۱۵، جنوری ۲۰۰۱م

JIA-31

امام کا بلا ضرورت سجدہ سہو کرنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر امام پر سجدۂ سہو لازم نہ ہو اور وہ کر لے تو اس صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا عند اللہ۔ (سائل: محمد سلیم، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں امام اور پہلی رکعت سے آخر تک جماعت میں شریک رہنے والے نمازیوں کی نماز ہو جائے گی اور جن نمازیوں کی امام کے پیچھے ایک یا زائد رکعتیں فوت ہو گئی ہوں، وہ اگر امام کی اتباع میں سجدہ سہو کریں

---

❶ تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قولہ: یجب بعد السلام سجدتان إلخ، ۱/ ٤٧٤

❷ المحیط السرخسی، کتاب الصلاۃ، ق ۸۰، مخطوط مصوّر

❸ بہار شریعت، سجدۂ سہو کا بیان، ۱/ ۴/ ۷۱۳

گے تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ انہیں امام پر سجدہ سہو واجب نہ ہونے کا علم ہو جائے ورنہ ان کی نماز بھی ہو جائے گی۔

چنانچہ علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

المسبُوق إذَا تابعَ الإمامَ فِي سُجودِ السّهوِ، ثمّ تبيّن أنّه لَم يَكنْ علَى الإمامِ سَهوٌ؛ حيثُ تفسدُ صَلاةُ المسبوقِ۔ ❶

یعنی، مسبوق جب امام کی سجدۂ سہو میں اتباع کرے پھر ظاہر ہو کہ امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں تھا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور فقیہ النفس علامہ حسن بن منصور اُوز جندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: إذَا ظنَّ الإمامُ أنّ عليهِ سهواً فسجدَ للسّهوِ وَ تابعَه المَسبوقُ فِي ذلِك ثمّ علمَ أنّ الإمامَ لَم يكنْ علَيه سهوٌ فيهِ روايتانِ، و اختلفَ المشايخُ لاختلافِ الروايتين و أشهرهما أنّ صلاةَ المسبوقِ تفسدُ و قَال الشيخُ الامامُ أبُو حَفص الكَبير رحمهُ الله تعالىٰ: لَاتفسدُ وإن لَم يعلمْ أنّه لَم يكنْ سَهو عَلى الإمامِ سَهو لَم تفسدْ صلوةُ المسبوقِ فِي قَولِهِمْ. ❷

یعنی، امام کو جب گمان ہو کہ اُس پر سجدہ سہو لازم ہے پھر وہ سجدۂ سہو کرے اور مسبوق اُس میں امام کی اتباع کرے پھر معلوم ہو کہ امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں تھا تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں اور دونوں روایات کے مختلف ہونے کی وجہ سے علمائے کرام کا اختلاف ہے اور ان دونوں روایتوں میں مشہور یہ ہے کہ مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام ابو حفص کبیر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نماز فاسد نہیں ہو گی

---

❶ بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان من یجب علیہ سجود السھو، ۱/۷۱۹

❷ فتاویٰ قاضیخان علی ھامش الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، باب افتتاح الصلاۃ، فصل فی المسبوق، ۱/۱۰۱

اور اگر اُسے امام پر سجدۂ سہو واجب نہ ہونا معلوم نہیں ہو، تو فقہائے کرام کا قول یہ ہے کہ مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔

اور امام برہان الدین ابو المعالی محمود ابن مازہ بخاری حنفی متوفی ۶۱۶ھ ❶ لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ سیّد احمد بن محمد طحطاوی حنفی ❷ متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: لَو تَابعه المسبوقُ، ثُمّ تبيّنَ أن لَا سَهو عَلى إمامِه فَسدتْ وإن لَم يعلمْ أنّه لَم يكنْ عليهِ، فلَا تفسدُ وهُو المختَار. [واللفظ للطّحطاوی]

یعنی، مسبوق نے امام کی اتباع میں سجدۂ سہو کیا، پھر ظاہر ہوا کہ امام پر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا، تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اُسے یہ بات معلوم نہ ہو تو اُس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اور یہی مختار ہے۔

اور امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: امام و مقتدیانِ سابق کی نماز ہو گئی، اگر سجدہ سہو میں مسبوق اتباعِ امام کرے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کہ ظاہر ہوا کہ محلِ انفراد میں اقتدا کیا تھا، ہاں اگر معلوم نہ ہوا تو اس کے لئے حکمِ فساد نہیں کہ وہ حال امام کو صلاح وصواب پر حمل کرنا ہی چاہئے۔ ❸

اور مفتی جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: اگر کوئی ایسی غلطی ہوئی کہ سجدۂ سہو لازم نہ تھا مگر پھر بھی سجدۂ سہو کیا تو منفرد، امام اور وہ مقتدی جو مدرک ہیں یعنی پہلی رکعت سے آخر تک امام کے ساتھ پڑھتے ہیں ان سب کی

---

❶ المحيط البرهانی،كتاب الصلاة،الفصل الخامس:ما يفسد الصلاة وما لا يفسد،۲/ ۱۷۵

❷ حاشية الطحطاوی علی مراق الفلاح،كتاب الصلاة،باب سجود السهو،تحت قوله:وهو من الطائفة الأولى،ص ٤٦٥

❸ فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، ۸/ ۱۸۵

نماز ہو گئی۔ اور وہ مقتدی جو مسبوق ہیں یعنی جن لوگوں کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہیں اگر وہ لوگ سجدہ کرنے میں امام کی اتباع کئے بعد کو معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو ایسے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو گئی اس لئے کہ انہوں نے محل انفراد میں اقتداء کیا۔ ❶

اور جو لوگ امام کے سجدۂ سہو کا سلام پھیرنے کے بعد جماعت میں شریک ہوں گے، اُن کی نماز نہ ہو گی، کیونکہ جب سجدۂ سہو واجب نہ ہو، تو داہنی طرف سلام پھیرتے ہی نماز ختم ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد شامل ہونے والے مقتدیوں کو چونکہ امام کی نماز کے کسی جزء میں شرکت نہ ملے گی، اس لئے اُن کی نماز نہ ہو گی۔ چنانچہ امام اہلسنت لکھتے ہیں: جو مقتدی اس سجدۂ سہو میں جانے کے بعد ملے اُن کی نماز نہیں ہوئی کہ جب واقع میں سہو نہ تھا دہنا سلام کہ امام نے پھیرا ختمِ نماز کا مُوجب ہوا یہ سجدہ بلا سبب لغو تھا تو اس سے تحریمہ نماز کی طرف عود نہ ہوا اور مقتدیانِ مابعد کو کسی جزءِ امام میں شرکتِ امام نہ ملی لہذا ان کی نماز نہ ہوئی۔ ❷

اور مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: جو مقتدی امام کے سجدۂ سہو کا سلام پھیرنے کے بعد جماعت میں شامل ہوئے اُن کی نماز نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ جب سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو داہنی جانب سلام پھیرتے ہی نماز ختم ہو گئی۔ ❸

---

❶ فتاویٰ فیض الرسول، سجدۂ سہو کا بیان، ۱/ ۳۸۸

❷ فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، ۸/ ۱۸۵

❸ فتاویٰ فیض الرسول، سجدۂ سہو کا بیان، ۱/ ۳۸۳

ہاں جب کسی پر حقیقت میں سجدۂ سہو واجب ہو، اور وہ سلام پھیرے تو اُس کا نماز سے نکلنا موقوف رہتا ہے، اگر وہ سجدۂ سہو کرلے تو نماز کی طرف لوٹ آئے گا، پس اُس کی اقتداء بھی دُرست ہوگی اور اگر وہ سجدۂ سہو نہ کرے تو نماز کی طرف نہیں لوٹے گا۔

چنانچہ علامہ محمد بن عبد اللہ تمرتاشی حنفی متوفی۱۰۰۴ھ اور علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:(سَلام مَن عليهِ سجودُ السّهوِ يُخرِجه) مِن الصّلاَةِ خُروجاً (موقوفاً) إن سجدَ عادَ إليهَا، وإلّا لَاَ (فيَصحُّ) الاقتِداءُ بِه (إن سجدَ) لِلسّهوِ (وَإلّا) يَسجدْ (لَا). (1)

یعنی، وہ نمازی جس پر سجدۂ سہو لازم ہو اُس کا سلام اسے نماز سے خارج کردے گا مگر اُس کا یہ نکلنا موقوف ہوگا، اگر وہ سجدہ کرلے تو نماز کی طرف لوٹ جائے گا ورنہ نہیں، پس اگر وہ سجدۂ سہو کرے تو اُس کی اقتداء دُرست ہوگی ورنہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۴/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ، ۱۸ مئی ۲۰۰۱م

JIA-68

امامت پر تنخواہ لینا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امامت کی تنخواہ مقرر کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(سائل: نعیم احمد شیخ القادری، شہداد پور، سانگھڑ، سندھ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: ہمارے ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے کہ

(1) تنویر الأبصار وشرحه الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص ۱۰۰

طاعات پر اُجرت لینا باطل ہے لیکن متأخّرین نے جہاں جہاں ضرورت کو محسوس کیا وہاں اسے جائز قرار دیا جیسے تعلیمِ قرآن، اذان وامامت۔

چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: فقد اتّفقت النّقولُ عن أئمّتنا الثّلاثة أبي حنيفةَ و أبي يُوسف و محمّد أنّ الاستئجارَ على الطّاعات باطلٌ ، لكن جاءَ من بعدهم من المجتهدينَ الّذين هم أهل التّخريج والتّرجيح فأفتوا بصحّته على تعليم القرآن للضّرورة، فإنّه كان للمُعلّمِين عطايا من بيتِ المال، وانقطعتْ، فلو لم يصحّ الاستئجارُ وأخذُ الأجرة لضاعَ القرآنُ وفيه ضياعُ الدّين لاحتياجِ المعلّمِين إلى الإكتساب وأفتى من بَعدهم أيضًا من أمثالهم بصحّته على الأذانِ والإمامةِ لأنّهما مِن شعائرِ الدّين فصحّحوا الاستئجارَ عليها للضّرورة. (1)

یعنی، ہمارے ائمہ ثلاثہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد سے بالاتفاق مروی ہے کہ طاعات پر اجارہ باطل ہے، لیکن بعد کے مجتہدین نے جو اصحاب تخریج و ترجیح تھے انہوں نے ضرورت کی وجہ سے تعلیمِ قرآن پر اجارہ کے جواز کا فتویٰ دیا، کیونکہ معلّمین قرآن کو پہلے حکومت سے وظائف ملتے تھے جو بعد میں بند ہوگئے۔ اس لئے اگر تعلیمِ قرآن پر اجارہ اور تنخواہ لینے کو ناجائز قرار دیا جائے گا تو قرآن ضائع ہو جائے گا کیونکہ اساتذہ قرآن کریم کو بھی کسب معاش دامن گیر ہوگی اور قرآن کریم کا ضیاع دین کا ضیاع ہے۔ اسی طرح بعد کے حضرات فقہاء کرام نے جو اصحابِ تخریج و ترجیح کے ہم رتبہ تھے اُنہوں نے اذان وامامت پر بھی اجارہ کے جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی دینی شعائر ہیں اور ضرورت کی بنا پر ان پر تنخواہ لینے کو جائز قرار دیا گیا۔

---

(1) شرح عقود رسم المفتی، مسألة الاستئجار على تلاوة القرآن، ص ۷۷

اورامام برہان الدین ابوالمعالی محمود ابن مازہ بخاری حنفی متوفی ۶۱۶ھ ❶ لکھتے ہیں اوراُن سے علامہ اکمل الدین محمد بن محمد بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ ❷ نقل کرتے ہیں:وقَال أبو عبدِ الله الخَيزاخَرِيُّ: يجوزُ في زمانِنا للإمام والمؤذّن والمعلِّم أخذُ الأجرة۔ [واللفظ للثاني]

یعنی، امام ابو عبد اللہ خیر اخری فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں امام، مؤذن اور مُعلِّم کے لئے اُجرت لینا جائز ہے۔

اورامامِ اہلسنّت امام احمد رضاخان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:أخذ اُجرت بر تعلیم قرآنِ عظیم ودیگر علوم وآذان وِامامت جائز ست علی ماأفتی به الأئمة المتأخرون نظراً إلی الزّمان حفظاً علی شعائر الدین والإیمان، وبربقیه طاعات مِثل زیارتِ قبور، وسیپاره خوانی برائے اَموات، وقرأت میلادِ پاک سیّدالکائنات علیه وعلیٰ آله افضل الصَّلوات والتحیّات، برأصل منع باقی است۔❸

یعنی، قرآن عظیم کی تعلیم، دیگر دینی علوم، اذان اور امامت پر اُجرت لینا جائز ہے جیسا کہ متأخرین ائمہ نے موجودہ زمانہ میں شعائرِ دین وایمان کی حفاظت کے پیشِ نظر فتویٰ دیا ہے اور باقی طاعات مثلاً زیارتِ قبور، اموات کے لئے ختمِ قرآن، قراءت، میلادِ پاک سیّد الکائنات علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوات والتحیات،، پر اصل ضابطہ کی بناء پر منع باقی ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الأربعاء، ۲۷/ شوال المکرم، ۱۴۲۶ھ-۳۰/ نوفیمبر ۲۰۰۵م

JIA-698

---

❶ الذخيرة البرهانية،كتاب الإجارات،الفصل التاسع: ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز،۵۲۵/۱۱

❷ العناية شرح الهداية، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة،۵/ ۲۱۹

❸ فتاویٰ رضویہ، کتاب الاجارۃ،۱۹/ ۴۹۵

نمازِ عید میں زائد تکبیریں فوت ہونا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ عیدین میں اگر مقتدی امام کے رکوع میں پہنچنے پر آئے یا رکوع سے اُٹھ جانے کے بعد یا دوسری رکعت میں شامل ہو تو وہ پہلی تین تکبیراتِ زوائد کیسے ادا کرے گا؟

(سائل: محمد جاوید نقشبندی، نیا آباد، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں جب وہ امام کو پہلی رکعت کے رکوع میں پائے تو اُسی میں زائد تکبیریں کہے، پھر اگر اُس نے رکوع میں تکبیریں مکمل نہ کی تھیں کہ امام نے سر اٹھالیا تو وہ بھی امام کی پیروی کرے اور اُس سے باقی تکبیریں ساقط ہو جائیں گی، ہاں اگر اُسے غالب گمان ہو کہ تکبیریں کہہ کر امام کو رکوع میں پالے گا، تو وہ قیام ہی میں تکبیریں کہے اور پھر رکوع میں جائے۔ اور اگر وہ امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد یا دوسری رکعت میں شامل ہو تو وہ پہلی رکعت کی زائد تکبیریں اب نہ کہے، بلکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پڑھے اُس وقت کہے یعنی ثناء پڑھنے کے بعد۔

چنانچہ علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ (1) اور علامہ کمال الدین بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ (2) لکھتے ہیں اور ان سے علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ (3) نقل کرتے ہیں: أما لو أدركه

---

(1) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان قدر صلاة العيدين، ۲/۲٤٦، ۲٤۷

(2) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ۲/٤٦، مطبوعة: دار إحياء التراث العربي، بيروت

(3) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، تحت قوله: في القيام، ۳/٦٤

راكعًا فإن غلبَ عَلى ظنّه إدراكُه فِي الرّكوع كبّرَ قائمًا برأي نَفسه ثمّ ركع، وإلّا ركع وكبّر فِي ركوعِه خلافًا لأبي يُوسفَ ولَا يَرفع يديه لأنّ الوَضع علَى الرّكبتينِ سُنّة فِي محلّهِ، وَالرّفعُ لَا فِي محلّهِ، وإن رفعَ الإمامُ رَأسهُ سقطَ عَنهُ مَا بقيَ مِن التّكبيرِ لِئلّا تَفوتَه الْمتابعةُ، ولو أدركه فِي قيام الرّكوع لا يَقضيها فِيه لأنّه يَقضِي الرّكعة مع تكبيراتها- [واللفظ للشامی]

یعنی، اگر اُس نے امام کو رکوع میں پایا اور اُسے ظنِّ غالب ہے کہ وہ امام کو رکوع میں پالے گا تو حالتِ قیام میں اپنی رائے کے مطابق تکبیراتِ عید کہے پھر رکوع کرے ورنہ وہ رکوع کرے اور رکوع میں تکبیریں کہے، بر خلاف امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے اور رکوع میں تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ بلند نہیں کرے گا کیونکہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا سنت ہے، لہٰذا یہ ہاتھ بلند کرنے کا محل نہیں ہے اور اگر امام رکوع سے اُٹھ جائے تو باقی تکبیرات ساقط ہو جائیں گی تاکہ امام کی متابعت فوت نہ ہو اور اگر اُس نے امام کو رکوع سے اٹھنے کے بعد پایا تو اب تکبیریں نہیں کہے گا کیونکہ بعد میں وہ تکبیرات سمیت اُس رکعت کی قضا کرے گا۔

اور علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: ولَو انتهَى رَجلٌ إلَى الإمامِ فِي الرّكوعِ فِي العِيدينِ فإنّه يُكبّرُ لِلافتِتاحِ قائمًا فإن أمكَنهُ أن يَأتِيَ بِالتّكبيراتِ ويُدرِكَ الرّكوعَ فعلَ ويكبّرُ عَلى رأيِ نَفسِهِ وَإن لَم يُمكنْه رَكعَ وَاشتغلَ بِالتّكبِيراتِ ولَا يَرفعُ يَديهِ إذا أتَى بِتكبيرَاتِ العيدِ فِي الرّكوعِ وَلَو رَفعَ الإمامُ رَأسهُ بعدَ مَا أدّى بعضَ التّكبيراتِ فإنّه يَرفعُ رأسه وَيُتابِعُ الْإمَامَ وتَسقطُ عَنه التّكبِيراتُ البَاقيَة ولَو أدرَكَهُ فِي القَومةِ لَا يَقضِي فِيهَا؛ لِأنّه يَقضِي الرّكعةَ الأولَى مَع التّكبِيرَاتِ. (1)

(1) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين، ۱/ ۱۵۱

یعنی، پہلی رکعت میں امام کے تکبیر کہنے کے بعد مقتدی شامل ہوا تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام نے قراءت شروع کردی ہو اور تین ہی کہے، اگرچہ امام نے تین سے زیادہ کہی ہوں اور اگر اس نے تکبیریں نہ کہیں کہ امام رکوع میں چلا گیا تو کھڑے کھڑے نہ کہے بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیر کہہ لے اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور غالب گمان ہے کہ تکبیریں کہہ کر امام کو رکوع میں پا لے گا تو کھڑے کھڑے تکبیریں کہے پھر رکوع میں جائے ورنہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیریں کہے پھر اگر اس نے رکوع میں تکبیریں پوری نہ کی تھیں کہ امام نے سر اُٹھالیا تو باقی ساقط ہو گئیں اور اگر امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب اپنی پڑھے اس وقت کہے اور رکوع میں جہاں تکبیر کہنا بتایا گیا، اس میں ہاتھ نہ اُٹھائے اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو پہلی رکعت کی تکبیریں اب نہ کہے بلکہ جب اپنی فوت شُدہ پڑھنے کھڑا ہو اس وقت کہے اور دوسری رکعت کی تکبیریں اگر امام کے ساتھ پا جائے، فبہا ورنہ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو پہلی رکعت کے بارے میں مذکور ہوئی۔ [1]

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۲/ ذوالحجۃ الحرام، ۱۴۲۲ھ. ۷/ مارچ، ۲۰۰۲م

JIA-227

گیس لائٹ یا موم بتی کے سامنے نماز پڑھنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ گیس لائٹ یا موم بتی کے سامنے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(سائل: رجب علی، موسیٰ لین، کراچی)

---

[1] بہارِ شریعت، نماز کا بیان، عیدین کا بیان، ۱/ ۴/ ۷۸۲

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں نماز ہوجائے گی۔

چنانچہ فقیہ النفس علامہ حسن بن منصور اُوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: إن كان بين يديه سِراجٌ أو قنديلٌ لا يُكره لأنّه لَا يُشبه عبادة النّارِ. ❶

یعنی، نمازی کے سامنے چراغ یا لالٹین ہو تو اس میں کراہت نہیں کیونکہ یہ آگ کی عبادت کے مشابہ نہیں ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: جلتی آگ نمازی کے آگے ہونا باعث کراہت ہے، شمع یا چراغ میں کراہت نہیں۔ ❷

والله تعالیٰ أعلم بالصواب

يوم الجمعة، ۲۱/ جمادى الأولىٰ، ۱٤٤٤ھ-۱٥/ دسمبر، ۲۰۲۲م

دعائے ثانی کے بعد مصافحہ کرنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعائے ثانی کے بعد آپس میں مصافحہ کیا جانا کیسا ہے؟! اکثر لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس سے منع کرتے ہیں۔

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں دعائے ثانی کے بعد آپس میں مصافحہ کرسکتے ہیں، اس، میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شریعت میں کسی کام کے ناجائز ہونے کے لئے قرآن وحدیث میں ممانعت اور نہی کا وارد ہونا ضروری ہے لیکن کسی کام کے جائز ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ قرآن وحدیث میں ممانعت نہ آنا ہی جواز کی دلیل ہے۔

---

❶ فتاوى قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة وما يكره فيها وما لا يكره، ۱/ ۱۱۹

❷ بہار شریعت، نماز کا بیان، مکروہات کا بیان، ۱/ ۳/ ۶۳۶

چنانچہ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ، وَالحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ. ❶

یعنی، حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا ہے اور جن کاموں سے سکوت فرمایا یعنی اُن کا حکم نہ بیان فرمایا تو وہ اُن کاموں میں سے ہیں، جن پر مؤاخذہ نہیں ہے یعنی مباح ہیں۔

اور جمہور احناف اور شوافع کے نزدیک ہر چیز میں اصل اباحت ہے۔ چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: أقولُ: وصرّحَ فِي "التّحرِيرِ" بِأنّ المختَار أنّ الأصلَ الإبَاحةُ عِندَ الجمهورِ مِن الحَنفيّةِ وَالشّافعيّةِ اهـ وَتَبعهُ تِلميذُه العلّامةُ قَاسمٌ، وجَرى عَليه فِي "الهدَايةِ" مِن فَصلِ الحدَادِ وَفِي "الخَانِيّةِ" مِن أوائلِ الحظرِ وَالإباحَة. ❷

یعنی، میں کہتا ہوں کہ "التحریر" ❸ میں تصریح ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ہر چیز میں اصل اباحت یعنی جائز ہونا ہے، اور ان کے شاگرد علامہ قاسم نے اسی کی پیروی کی ہے اور یہی بات "الھدایۃ" کی "فصل الحداد" ❹ میں بیان ہوئی ہے، اور "الخانیۃ" ❶ کی بحث حظر واباحت کے شروع میں بھی یہی بات مذکور ہے۔

---

❶ سُنَن التّرمذي، کتاب اللّباس، باب ماجاء في لُبس الفِراء، برقم: ۱۷۲۶، ۲/ ۵۷۸

❷ رد المحتار، کتاب الطّھارۃ، مطلب: المختار أنّ الأصلَ في الأشیاء الإباحۃ، ۱/ ۲۳۴

❸ التحریر في أصول الفقه، المقالة الثانية في أحوال الموضوع، الفصل الثاني في الحاكم، ۲۶۸، مطبوعة: دار الکتب، بشاور

❹ الھدایة شرح بدایة المبتدی، کتاب الطلاق، باب العدّة، تحت قوله: ولیس في عدّة أمّ الولد إلخ، ۱/ ۲/ ۳۲۰

اور قُرآن وحدیث میں چونکہ دعائے ثانی کے بعد آپس میں مصافحہ کرنے کی ممانعت وارد نہیں، لہٰذا یہ عمل بلاشبہ جائز ہے

اور جو اسے ناجائز کہے تو اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن وحدیث میں ممانعت کی دلیل دکھائے اور جب کوئی دلیل نہ لاسکے تو اس امر کا مباح ہونا ثابت ہوگیا اور اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانے میں یہ کام نہ تھا، اس لئے یہ ناجائز ہے، بالکل غلط ہے اور اس کی وجہ یہ کہ کسی عمل کا جائز نہ ہونا ممانعت سے ہوتا ہے، کسی کام کا صرف اُس زمانے میں نہ ہونا عدم جواز کیلئے کافی نہیں۔ ثانیاً یہ کہ مصافحہ کرنے کا معمول صحابہ کرام میں بھی تھا۔ چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی، کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا:

أَكَانَتِ المصَافَحَةُ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ. ❷

یعنی، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ کا معمول تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

اور حدیث شریف میں مصافحہ کرنے پر فضیلت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ، فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا» ❸

---

❶ الفتاوى الخانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والاباحة وما يكره أكله وما لا يكره وما يتعلّق بالضيافة، ۳/ ۴۰۰

❷ صحيح البخاری، كتاب الاستئذان، باب المصافحة، برقم: ۶۲۶۳، ۴/ ۱۵۲

❸ سُنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المصافحة، برقم: ۵۲۱۲، ۵/ ۲۴۴

یعنی، جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور وہ مصافحہ کرتے ہیں تو اُن کے جُدا ہونے سے پہلے دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

اس روایت کو امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی متوفی ۲۷۵ھ نے اپنی "سُنَن" ❶ میں، امام ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اپنی "سُنَن" ❷ میں اور امام ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تبریزی متوفی ۷۴۱ھ نے اپنی "مشکوۃ" ❸ میں نقل کیا ہے۔

اِن احادیث سے مصافحہ کا جواز ثابت ہوتا ہے، نیز فقہاء کرام نے مصافحہ کے جواز کی تصریح فرمائی ہے اور یہ مطلقاً اس کے جائز ہونے کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ ہر نماز کے بعد ہو، اور جو بعض کُتُب میں نماز کے بعد مصافحہ کرنے کو بدعت قرار دیا گیا ہے اس سے مراد جائز اور اچھی بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: تجوزُ المصافحة لِأنّها سنّةٌ قَديمةٌ متوَاترةٌ لِقولِه علَيهِ الصّلَاة وَالسّلامُ «مَنْ صَافَحَ أخَاهُ الْمُسْلِمَ وَحَرَّكَ يَدَهُ تَنَاثَرَتْ ذُنُوبُهُ» وإطلاقُ المصنّفِ تبعًا للدّررِ وَالكنزِ وَالوقايةِ وَالنّقايةِ وَالمجمعِ وَالملتقى وَغيرِها يُفيْد جَوازَها مُطلقًا ولَو بعدَ العَصْر وقَولُهمْ إنّه بِدعةٌ أيْ مُباحةٌ حسَنةٌ كَما أفادَه النّوويّ فِي أذكَارِه وغيرُه فِي غَيرِه. ❹

یعنی، مصافحہ جائز ہے اس لئے کہ مصافحہ ایک قدیم سنّت متواترہ ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے "جس نے اپنے مسلمان بھائی

---

❶ سُنَن ابن ماجة، كتاب الأدب، باب: المصافحة، برقم: ۳۷۰۳، ٤/ ۲۳٦

❷ سُنَن الترمذی، كتاب الاستئذان، باب: ماجاء فی المصافحة، برقم: ۲۷۲۷، ۳/ ۵۰۲

❸ مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی، برقم: ٤٦٧٩، ٤.٣/ ١٦٩

❹ الدّر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، تحت قوله: كالمصافحة، ص٦٥٨

سے مصافحہ کیااوراُس نے اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس سے اُس کے گناہ جھڑ جائیں گے"❶ اور مصنّف کا مطلق بیان کرنا "الدرر"❷ "الکنز"❸ "الوقاية"❹ "النقاية"❺ "المجمع"❻ اور "الملتقى"❼ وغیرہا کی اتباع کرتے ہوئے ہے، یہ مطلق مصافحہ کے جواز کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہائے کرام کا قول کہ بے شک یہ بدعت ہے یعنی وہ جائز اور اچھی بدعت ہے جیسا کہ امام نووی نے اسے "الأذكار"❽ میں بیان کیا ہے اور ان کے علاوہ نے اس کے غیر میں۔

اور علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: (كما أفادهُ النّوويّ فِي أذكارِهِ)حيثُ قَالَ :اعلَمْ أنّ الْمصَافحةَ مستحبّةٌ عِندَ كلّ لقَاءٍ، وأمّا مَا اعتَادهُ النّاسُ مِن المصَافحةِ بعدَ صلَاةِ الصُّبحِ وَ العَصرِ، فلَا أصلَ لهُ فِي الشّرعِ عَلى هذَا الوَجهِ، وَلكِنْ لَا بأسَ بِهِ، فإنّ أصلَ المصَافحةِ سنّةٌ، وكونُهُمْ حافظُوا عليهَا فِي بَعضِ الأحوالِ، وفرّطُوا فِي كثيرٍ مِن الأحوالِ أو أكثرِها لَا يُخرج ذلكَ البعضَ عَن كونِهِ مِن المصافحة الّتِي وردَ الشّرعُ

❶ المعجم الأوسط،باب من اسمه أحمد،برقم:١٠٢٤٥/ ٨٥، الجامع لشعب الإيمان، الباب الحادي والستّون في مقاربة أهل الدين وموادتهم وإفشاء السلام بينهم،فصل في المصافحة والمعانقة وغيرهما من وجوه الإكرام عند الالتقاء،قصة إبراهيم في المعانقة في الثالث والثلاثين من التاريخ،برقم:٨٥٥١، ١١/ ٢٨٦

❷ الدرر الحكام في شرح غرر الأحكام،كتاب الكراهية والاستحسان،فصل من ملك أمة بشراء ونحوه،تحت قوله:كمصافحته،١/ ١/ ٣١٨

❸ كنز الدقائق،كتاب الكراهية،فصل في الاستبراء وغيره،ص٦١١

❹ الوقاية مع شرحه لصدر الشريعة،كتاب الكراهية،فصل في الاستبراء وغيره،٧/ ٣١٠

❺ لم نقف على مسئلة المصافحة في "النقاية"، وتكلم عليها في شرحه، انظر "فتح باب العناية": كتاب الكراهية،تحت قوله: وعناقه في إزار واحد،٤/ ٤٠

❻ مجمع البحرين،كتاب الحظر والإباحة،ص٨٢٢

❼ ملتقى الأبحر،كتاب الكراهية،فصل في النظر ونحوه،ص٦٠٣

❽ الأذكار،كتاب السّلام والاستئذان إلخ،باب في مسائل تتفرّع على السّلام،ص٢٦٣

بِأصلِها اهـ قالَ الشَيخُ أبو الحسنِ البِكريُّ: وَتَقييدهُ بمَا بعدَ الصبحِ وَالعصرِ عَلى عَادةٍ كانتْ فِي زمَنِهِ، وَإلَّا فَعقِب الصلواتِ كُلّها كَذلِك، كذَا فِي رسالةِ الشُرنبلَالِيِّ فِي المصافحةِ،ونُقلَ مِثلُه عَنَ الشمسِ الحَانوتي، وَأنَه أفتَى بِه مُستدلًّا بِعمومِ النَصوصِ الوَاردةِ فِي مَشروعِيتِها وهُو الموافقُ لِما ذكرَه الشَارحُ مِن إطلَاقِ المتونِ.❶

یعنی، جیسا کہ علامہ نووی نے اپنی کتاب ''الأذکار''❷ میں اسے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مصافحہ ہر ملاقات کے وقت مستحب ہے، اور لوگوں میں فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کی جو عادت پڑگئی ہے، اس کی اس انداز سے شریعت میں کوئی اصل موجود نہیں ہے لیکن اس مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ، اس لئے کہ مصافحہ کرنا سنت ہے اور مسلمانوں کا ایسا کرنا کہ بعض احوال میں اس کی محافظت کرتے ہیں، اور بہت سی حالتوں میں چھوڑدیتے ہیں، یہ اسے اس مصافحہ سے خارج نہیں کرتا جس کے بارے میں شرع کا حکم ملا ہوا ہے۔ شیخ ابوالحسن بکری نے کہا کہ امام نووی نے فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ اُن کے زمانے میں یہی عادت تھی ورنہ تمام نمازوں کے بعد بھی یہ جائز ہے، اسی طرح علامہ شرنبلالی کے رسالے میں مصافحہ کے بارے میں ہے❸ اور اسی کی مثل علامہ شمس الدین حانوتی❹ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس مصافحہ کے جواز کا فتویٰ دیا اور مصافحہ کی مشروعیت کے بارے میں جو نُصوص وارد تھیں اُن

---

❶ رد المحتار علی الدّر المختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ، ۹/ ۶۲۸

❷ الأذکار، کتاب السّلام والاستئذان إلخ، باب فی مسائل تتفرع علی السّلام، ص ۲۶۲

❸ سعادة أهل الإسلام بالمصافحة عقب الصلاة والسلام فی ضمن مجموع رسائل العلّامة الشرنبلالی، ۳/ ۲۰۷

❹ إجابة السائلین بفتوی المتأخرین، کتاب الصلاة، ق ۶/ ب

کے عُموم سے استدلال فرمایاہے اور یہ اس کے مطابق ہے جسے شارح (یعنی علامہ علاء الدین حصکفی حنفی) نے متون کے اطلاق سے ذکر کیا ہے۔

اور علامہ سیّد احمد بن محمد طحطاوی حنفی متوفی۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: تطلبُ المصافحة فهِي سُنَّة عَقب الصَّلاة كلّها و عِندَ كُلِّ لُقيٍّ. (1)

یعنی، مصافحہ مطلوب ہے پس یہ تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: مصافحہ سنت ہے اور اس کا ثبوت تواتر سے ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث یہ ہے کہ "جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور ہاتھ کو حرکت دی، اس کے تمام گناہ گر جائیں گے۔" جتنی بار ملاقات ہو ہر بار مصافحہ کرنا مستحب ہے۔ مطلقاً مصافحہ کا جواز یہ بتاتا ہے کہ نماز فجر و عصر کے بعد جو اکثر جگہ مصافحہ کرنے کا مسلمانوں میں رواج ہے یہ بھی جائز ہے اور بعض کتابوں میں جو اس کو بدعت کہا گیا، اس سے مراد بدعتِ حسنہ ہے۔ (2)

اور آگے لکھتے ہیں: جس طرح فجر و عصر کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے دوسری نمازوں کے بعد بھی مصافحہ کرنا جائز ہے کیونکہ اصل مصافحہ کرنا جائز ہے تو کسی وقت بھی کیا جائے جائز ہی ہے، جب تک شرع مطہر سے ممانعت ثابت نہ ہو۔ (3)

---

(1) حاشية الطّحطاوی علی مراق الفلاح، كتاب الصّلاة، باب أحكام العيدين من الصّلاة وغيرها سمى عيداً، تحت قوله: و يتختم، ص۵۳

(2) بہار شریعت، مصافحہ و معانقہ و بوسہ و قیام کا بیان، ۳/۱۶/۴۷۰

(3) بہار شریعت، مصافحہ و معانقہ و بوسہ و قیام کا بیان، ۳/۱۶/۴۷۱

لہذا ثابت ہوا کہ دعائے ثانی کے بعد آپس میں مصافحہ کرسکتے ہیں اگرچہ شریعت میں اس طریقے کی کوئی اصل نہیں مگر ایسا کرنے میں شرعاً حرج بھی نہیں کیونکہ اصل مصافحہ سنّت ہے جس پر فضیلت وارد ہوئی ہے اور جو اسے ناجائز بتائے تو وہ قرآن وحدیث سے اس کی ممانعت ثابت کرے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

رمضان المبارک، ۱٤۲۲ھ-دسمبر ۲۰۰۱م

REF-162

وقال الأستاذ شیخ الحدیث **المفتی محمّد أحمد السّندی** النّعیمی النّقشبندی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمده ونصلّی ونسلّم علی رسوله الکریم

میں نے فاضل نوجوان مُحترم المقام حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زِید مجدُہٗ کا دعائے ثانی کے بعد مصافحہ کے جواز پر فتویٰ پڑھا، اور میں اس سے متفق ہوں، یقیناً نماز پنج گانہ وعیدین کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ضرور ہے لیکن اس سے مراد بدعت سیئہ ہرگز نہیں، بلکہ بدعت حسنہ ہے اور ان دونوں کے مابین فرق ہے جس کو پہچاننے کے لئے اوّلاً بدعت کی تعریف معلوم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہر وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں نہ تھا بعد میں کسی نے اس کو شروع کیا اُسے بدعت کہتے ہیں۔ اب اگر وہ عمل قرآن وحدیث کے اُصول وقواعد کے مطابق ہو اور شریعت کی نگاہ میں اُس پر عمل کرنا ضروری ہو یا بہتر ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے۔ اور اگر وہ کام قرآن وحدیث کے اُصول وقواعد کے خلاف ہو تو پھر وہ بدعت سیئہ یعنی بُری بدعت ہے۔

چنانچہ شیخ مُحقق عبد الحق مُحدّث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں: بدانکہ ہرچہ پیدا شدہ بعدازپیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت است واز انچہ موافق اُصول وقواعد سنّت اوست و قیاس کردہ شدہ است برآں آنرا بدعت حسنہ گویند وانچہ مخالف آن باشد بدعت ضلالت خوانند۔ 1

یعنی، جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکلا اور ظاہر ہوا وُہ بدعت کہلاتا ہے پس اُس میں سے جو کچھ اُصول اور قواعدِ سنت کے مُوافق اور اُس کے مطابق قیاس کی ہوئی ہے (یعنی شریعت وسنت سے نہیں ٹکراتی) اُسے بدعتِ حَسَنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہو وہ بدعت ضلالت یعنی گمراہی والی بدعت کہلاتی ہے۔

لہٰذا ہر بدعت گمراہی نہیں۔ اور جو حدیث شریف میں وارد ہے: ”كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ“. 2

یعنی، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے: ”شَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ،وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“. 3

یعنی، بدترین کام نئے طریقے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس حوالے سے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دونوں فرامین برحق ہیں مگر یہ بدعت سیئہ کے بارے میں وارد ہیں اور بلاشبہ ہر وہ بدعت بُری ہے کہ جو کسی سنّت کے خلاف یا سنت کو مٹانے والی ہو جیساکہ دیگر احادیث میں اس مسئلے کی مزید وضاحت موجود ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے

1 اشعۃ اللمعات، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ۱/ ۱۲۵
2 سُنَن النسائي، كتاب صلاة العيدين، باب كيف الخطبة، برقم: ۱۵۷۴، ۲/ ۳/ ۱۸۶
3 صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، برقم: ۸۶۷، ۲/ ۵۹۲

ارشاد فرمایا: "مَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا تُرْضِي اللهَ وَرَسُولَهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا" ❶

یعنی، ہر وہ گمراہ کرنے والی بدعت جس سے اللہ اور اُس کا رسول راضی نہ ہو تو اُس گمراہی والی بدعت جاری کرنے والے پر اُس بدعت پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ ہے، اُسے گناہ مل جانا لوگوں کے گناہوں میں کمی نہیں کرے گا۔

اور اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ، فَهُوَ رَدٌّ" ❷

یعنی، جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو اس (کی اصل) میں سے نہ ہو وہ مردود ہے۔

اِن احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء سے معلوم ہوا کہ ایسی نئی بات جو سنت سے دُور کر کے گمراہ کرنے والی ہو، جس کی اصل دین میں نہ ہو وہ بدعت سیئہ ہے جبکہ ایسی نئی بات جس کی اصل دین سے ثابت ہو وہ بدعتِ حَسَنہ یعنی اچھی بدعت ہے۔

اور باجماعت نمازِ تراویح کی نسبت امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: "نِعْمَ البِدْعَةُ هَذِهِ" یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ چنانچہ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے مروی، کہتے ہیں: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى المَسْجِدِ،

---

❶ سُنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنّة واجتناب البدع، برقم: ۲۶۷۷، ۳/ ۴۷۴

❷ صحیح البخاری، کتاب الصّلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصّلح مردود، برقم: ۲۶۹۷، ۲/ ۱۸۶

فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلاَتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ:«إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلاَءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ، لَكَانَ أَمْثَلَ» ثُمَّ عَزَمَ، فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلاَةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ:«نِعْمَ البِدْعَةُ هَذِهِ». ❶

یعنی، میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ماہ رمضان کی رات کو مسجد آیا تو وہاں لوگ مختلف انداز میں نماز تراویح ادا کر رہے تھے، کوئی انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا تھا اور بعض کسی کی اقتداء میں پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر میں اِن سب کو ایک ہی امام کے پیچھے جمع کردوں تو بہت اچھا رہے گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اُن سب کا امام مقرر فرمادیا۔ پھر جب میں دوسری رات آپ کے ساتھ مسجد میں جانے کے لئے نکلا تو مسجد پہنچنے پر دیکھا کہ لوگ جماعت کے ساتھ تراویح ادا کر رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بحمدہ تعالیٰ یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ ہر بدعت گمراہی نہیں۔ اور پھر دین اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرنے کا جواز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ثابت ہے: مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ. ❷

یعنی، جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے گا تو اُسے اس کا ثواب ملے گا اور اُس کا بھی جو لوگ اس کے بعد اُس پر عمل کریں گے اور اُن کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا۔

---

❶ صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، برقم: ۲۰۱۰، ۱/ ۴۹۴

❷ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصّدقۃ إلخ، برقم: ۱۰۱۷، ۲/ ۷۰۵

اور دین اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ. [1]

یعنی، اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اُس پر اس کا گناہ بھی ہے اور اُن لوگوں کا بھی جو اِس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ اُن کے گناہ میں کچھ کمی واقع ہو۔

بہر حال اچھی اور بُری بدعات کی تقسیم ضروری ہے ورنہ متعدّد اچھی بدعات ایسی ہیں کہ اگر ان کو فقط اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ وہ قُرونِ ثلاثہ یعنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام علیہم الرضوان کے مبارک اَدوار میں نہ تھیں تو پھر دین کا موجود نظام ہی نہ چل سکے۔

اس لئے حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب دام ظلّہ کا فتویٰ حرف بحرف درست اور لائق اتباع ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں مزید برکتیں وسعتیں عطا فرمائے اور ان کے فیضان سے عالَم اسلام کو مستفیض فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

فقط

عبدہ محمد احمد نعیمی غفرلہ

شیخ الحدیث ورئیس دار الافتاء

دار العلوم انوار المجددیہ نعیمیہ،

غریب آباد، ملیر، کراچی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصّدقۃ إلخ، برقم: ۱۰۱۷، ۲/ ۷۰۵

تراویح فاسد ہوجائے تو تلاوت دُہرانا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی وجہ سے نمازِ تراویح فاسد ہوجائے تو جتنا قرآن ان رکعتوں میں پڑھا گیا ہے اس کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

(سائل: عبد الرحیم عطاری، الیاس بلڈنگ، کھانچی پاڑہ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں اس کا اعادہ کیا جائے گا تاکہ ختم قرآن کا حصول جائز نماز میں ہو۔

چنانچہ علامہ ابو بکر بن علی حدادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ [1] لکھتے ہیں اور ان سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت [2] نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: وإذا فسد الشفعُ وقد قرأ فيه لا يَعتدّ بما قرأه فيه ويُعيد القراءةَ ليَحصلَ الختمُ في الصّلاة الجائزة- [واللفظ للأوّل]

یعنی، اگر نمازِ تراویح کا شَفع (دو رکعت) فاسد ہوجائے تو جتنا قرآن اُن رکعتوں میں پڑھا گیا ہے وہ شمار نہیں ہوگا اور وہ قراءت کا اعادہ کرے تاکہ ختم قرآن جائز نماز میں حاصل ہو۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: اگر کسی وجہ سے نماز تراویح فاسد ہو جائے تو جتنا قرآن مجید ان رکعتوں میں پڑھا ہے اعادہ کریں تاکہ ختم میں نقصان نہ رہے۔ [3]

---

[1] الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، تحت قوله: ويجلس بين كلّ ترويحتين مقدار ترويحة، ١/ ٢٤٥

[2] الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ١/ ١١٨

[3] بہارِ شریعت، تراویح کا بیان، ۱/ ۴/ ۶۹۳

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

١٧، رمضان المبارك ١٤٢١ھ-١٤، دسمبر، ٢٠٠٠م

JIA-21

قعدۂ اُولیٰ میں بھول کر سیدھا کھڑا ہونا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں قعدۂ اُولیٰ بھول کر سیدھا کھڑا ہو، اور پھر اُسے قعدۂ اُولیٰ یاد آجائے، تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں وہ قعدۂ اُولیٰ کے لئے نہ لوٹے، بلکہ آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

چنانچہ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ١٠٦٩ھ لکھتے ہیں: (مَن سَها وكانَ إمَاماً أو منفرِداً (عَن القعُودِ الأوّلِ مِن الفرضِ) ولَو عَملياً وهُو الوِتر (عَاد إلَيه) وُجوباً (مَا لَم يستَو قَائماً في ظَاهر الرّوايَة وهُو الأصَحّ) كَما في التّبيينِ والبُرهانِ والفَتح لصَريح قَولِه صَلّى الله عليهِ وسلّم«إذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ، وَإِنِ اسْتَوَى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ، وَيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْو»رَواه أبو دَاود- (1)

یعنی، امام یا منفرد فرض یا وتر نماز میں قعدۂ اُولیٰ بھول جائے تو اُس پر ظاہر الروایہ کے مطابق قعدہ کی طرف لوٹنا واجب ہے جب تک وہ سیدھا کھڑا نہ ہو جائے اور یہی اصح قول ہے جیسا کہ "تبیین" (2)، "برھان" (3) اور "فتح القدیر" (4) میں ہے

---

(1) مراق الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، ص١٧٩

(2) تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قولہ: وإن سها عن القعود الأوّل إلخ، ١/ ٤٧٩

(3) البرھان شرح مواھب الرحمن، کتاب الصّلاۃ، باب سجود السھو، ص ٢٥٥

(4) فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، ١/ ٤٤٤

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا صریح فرمان ہے کہ "جب امام دو رکعتوں میں کھڑا ہو جائے تو اگر اُسے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آئے تو اُسے چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا ہو تو نہ بیٹھے اور وہ سجدۂ سہو کرے" اس حدیث کو امام ابوداود نے روایت کیا ہے۔ ❶

اور آگے لکھتے ہیں: (فإنْ عادَ) مَن سهَا عَن القُعودِ (وهُو إلَى القِيامِ أقرَب) بأنْ استَوى النّصْف الأسفَل مَع انحِناء الظّهرِ وهُو الأصَحّ في تفسِيرِه (سَجد للسّهوِ) لترْكِ الوَاجبِ (وإنْ كانَ إلى القُعودِ أقرَب) بانعِدَامِ استِواء النّصفِ الأسفَلِ (لَا سجُود) سَهو (عَليْه في الأصَح) وعلَيه الأكثَر. ❷

یعنی، پھر اگر قعدۂ اُولیٰ بھولنے والا شخص اس حال میں لوٹے کہ وہ کھڑے ہونے کے زیادہ قریب ہو تو ترکِ واجب کے سبب وہ سجدۂ سہو کرے اور اصح قول کے مطابق قیام کے زیادہ قریب ہونے کی تفسیر یہ ہے کہ نیچے کا آدھا بدن پیٹھ کے جھکاؤ کے ساتھ سیدھا ہو گیا ہو۔ اور اگر وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو، تو اُس پر نچلے آدھے بدن کے سیدھا نہ ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہو گا یہی اصح قول ہے اور اسی پر اکثر فقہائے کرام ہیں۔

اور علامہ محمد بن عبد اللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (سهَا عَن القُعودِ الأوّلِ مِن الفَرضِ) ولَو عَمليًا (ثمّ تذكّرهُ عادَ إليهِ) وتشهّدَ، ولَا سَهوَ علَيهِ فِي الأصحّ (مَا لَم يَستقِمْ قَائمًا) فِي ظاهرِ المذهبِ، وهُو الأصحّ فَتحٌ (وَإلّا) أي وَإن استقامَ قائمًا (لَا) يَعودُ لِاشتغالِه بِفرضِ القيامِ (وَسجدَ لِلسّهوِ) لترْكِ الواجبِ. ❸

---

❶ سُنَن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من نسي أن يتشهد وهو جالس، برقم: ١٠٣٦، ١ / ٤٣٩
❷ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص١٧٩
❸ تنوير الأبصار وشرحه الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السّهو، ص٩٩

یعنی، جب کوئی فرض یا فرضِ عملی کا قعدۂ اُولیٰ بھول جائے پھر اُسے یاد آئے تو وہ ظاہر مذہب اور اصح قول کے مطابق جب تک سیدھا کھڑا نہ ہو جائے قعدہ کی طرف لوٹے اور تشہد پڑھے اور اس پر اصح قول کے مطابق سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہو گا "فتح القدیر" ❶ اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو فرض قیام میں مشغول ہونے کی وجہ سے قعدہ کو نہ لوٹے اور وہ ترکِ واجب کے سبب سجدۂ سہو کرے۔

اور امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: اگر ابھی قعود سے قریب ہے کہ نیچے کا آدھا بدن ہنوز سیدھا نہ ہونے پایا جب تو بالاتفاق لوٹ آئے اور مذہب اصح میں اُس پر سجدۂ سہو نہیں اور اگر قیام سے قریب ہو گیا یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہب اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اُس پر سجدۂ سہو واجب، اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو پلٹنے کا اصلاً حکم نہیں بلکہ ختمِ نماز پر سجدۂ سہو کرلے پھر بھی اگر پلٹ آیا بہت بُرا کیا گناہگار ہوا، یہاں تک کہ حکم ہے کہ فوراً کھڑا ہو جائے، اور امام ایسا کرے تو مقتدی اُس کی پیروی نہ کریں کھڑے رہیں یہاں تک کہ وہ پھر قیام میں آئے، مگر مذہب اصح میں نمازیوں بھی نہ جائے گی صرف سجدۂ سہو لازم رہے گا۔ ❷

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

مسبوق باقی نماز کیسے پوری کرے؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں اگر کسی شخص نے چار رکعت والی نماز میں سے ایک رکعت کو پایا تو باقی رکعتیں وہ کس طرح ادا کرے گا؟ (سائل: محمد یعقوب، از کھوکھرا پار ملیر، کراچی)

❶ فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، للتأخیر، ۱/ ٤٤٤

❷ فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، ۸/ ۱۸۱

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے وقت قراءت کے حق میں مسبوق کی پہلی اور تشہد کے حق میں دوسری رکعت ہوتی ہے۔ اسی لئے صورت مسئولہ میں وہ اپنی باقی نماز کی پہلی رکعت میں ثناء، تعوّذ وتسمیہ پڑھے اور سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے پھر رکوع وسجود کے بعد قعدہ کرے اور اس میں تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور اس دوسری رکعت میں بھی فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے اور اس میں قعدہ کئے بغیر ہی کھڑا ہو جائے اور پھر ایک رکعت مزید پڑھے اور اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع کردے اور تشہد وغیرہ پڑھ کر نماز مکمل کرلے۔

اور اگر وہ امام کے بعد والی رکعت میں قعدہ کرنے کی بجائے دو رکعت پڑھ کر قعدہ کرے گا جب بھی اس کی نماز ہو جائے گی اور اس پر سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوگا کیونکہ ایک اعتبار سے وہ اس کی پہلی رکعت ہوگی اور پہلی رکعت میں قعدہ نہیں ہوتا، مگر بہتر طریقہ وہی ہے جس کو ہم نے شروع میں ذکر کیا۔

چنانچہ ایک رکعت پانے والا مسبوق اپنی بقیہ نماز کس طرح ادا کرے، اس بارے میں امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ [1] اور حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ [2] اپنی اپنی سند کے ساتھ امام شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ جُنْدَبًا، وَمَسْرُوقًا، أَدْرَكَا رَكْعَةً مِنَ الْمَغْرِبِ فَقَرَأَ جُنْدَبٌ وَ لَمْ يَقْرَأْ مَسْرُوقٌ خَلْفَ الْإِمَامِ، فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَامَا يَقْضِيَانِ، فَجَلَسَ مَسْرُوقٌ فِي الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ، وَقَامَ جُنْدَبٌ فِي الثَّانِيَةِ وَ لَمْ يَجْلِسْ، فَلَمَّا

---

[1] المصنّف لعبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب ما یقرأ فیما یقضی، برقم: ۲،۳۱۷۱/ ۱۴۸

[2] المعجم الکبیر، ۹،۹۳۷۰/ ۲۷۴

انْصَرَفَا تَذَاكَرَا ذَلِكَ، فَأَتَيَا ابْنَ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: «كُلٌّ قَدْ أَصَابَ أَوْ كُلٌّ قَدْ أَحْسَنَ وَنَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ مَسْرُوقٌ»- [واللفظ لعبد الرزاق]

یعنی، حضرت جُندُب اور حضرت مَسْرُوق نے نمازِ مغرب کی ایک رکعت پائی تو حضرت جُندُب نے قراءت کی اور حضرت مَسْرُوق نے امام کے پیچھے قراءت نہیں کی پھر جب امام نے سلام پھیرا تو دونوں نے بقیہ رکعتیں ادا کیں پس حضرت مسروق دوسری اور تیسری رکعت میں بیٹھے اور حضرت جُندُب دوسری رکعت میں قعدہ کئے بغیر کھڑے ہو گئے پھر جب دونوں حضرت اس معاملہ میں گفتگو کرتے ہوئے واپس پلٹے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے (قعدہ کرنے کے متعلق) فرمایا: دونوں نے درست کیا یا فرمایا اچھا کیا اور کہا کہ ہم اسی طرح کرتے ہیں جیسے مَسْرُوق نے کیا ہے۔

اور علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: ولو أدركَ مَع الإمامِ ركعةً فِي ذواتِ الأربعِ فقامَ إلَى القضاءِ قَضى رَكعةً يَقرأُ فِيها بِفاتحةِ الكتابِ وسُورةٍ، ويتشهّدُ ثُمّ يَقومُ فيَقضِي رَكعةً أُخرَى يَقرأُ فيهَا بفَاتحةِ الكتابِ وسُورةٍ. ولَو تركَ القراءةَ فِي إحدَاهُما تَفسدُ صَلاتُه لِما قُلنَا وفِي الثّالثةِ هوَ بِالخيارِ، وَالقراءةُ أفضلُ. ❶

یعنی، اگر کسی نے چار رکعت والی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پائی تو جب وہ بقیہ رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو ایک رکعت اس طرح ادا کرے کہ اُس میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے اور تشہد پڑھے پھر وہ کھڑا ہو اور دوسری رکعت ادا کرے اور اُس میں بھی سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے، اور اگر اُس نے ان دونوں میں سے کسی

❶ بدائع الصّنائع، کتاب الصلاۃ، فصل فی حکم فساد الصلوات، ۲/ ۱۶۵

میں قراءت کو ترک کیا تو اُس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور تیسری میں اُسے اختیار ہے اور قراءت افضل ہے۔

اور مسبوق اپنی بقیہ نماز کس طرح مکمل کرے، اس بارے میں اُصول اور طریقہ بیان کرتے ہوئے علامہ محمد بن عبد اللہ تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (والمسبوقُ مَن سَبقهُ الإمامُ بِها أو بِبَعضِها وهُو مُنفرِدٌ) حَتّى يُثنِي وَيتعوّذَ وَيقرأَ وَيقضِي أوّلَ صلاتِه فِي حَقّ قِراءةٍ، وآخرَها فِي حَقّ تشهُّدٍ؛ فَمدرِكُ ركعةٍ مِن غَيرِ فَجرٍ يَأتِي بِركعتَينِ بفاتحةٍ وسُورةٍ وتَشهّدٍ بَينهمَا، وبِرابعةِ الرُّبَاعِيّ بفَاتحَةٍ فَقطْ، وَلَا يَقعدُ قَبلَهَا (إلّا فِي أربع). ❶

یعنی، مسبوق وہ ہے جس کی امام کے ساتھ تمام یا بعض رکعتیں فوت ہو جائیں وہ اپنی بقیہ رکعتوں کو ادا کرنے میں منفرد ہے یہاں تک کہ وہ ثناء اور تعوُّذ پڑھے گا اور قراءت بھی کرے گا اور وہ قراءت کے حق میں پہلی اور تشہد کے حق میں آخری رکعت پڑھے گا، پس فجر کے علاوہ باقی نمازوں میں ایک رکعت پانے والا شخص دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان تشہد بھی پڑھے اور چار رکعت والی نماز کی چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے مگر چوتھی میں۔

اور علامہ طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ ❷ لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت ❸

---

❶ تنویر الأبصار وشرحه الدّر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة، ص ۸۱

❷ خلاصة الفتاویٰ مع مجموعة الفتاوی، کتاب الصلاۃ، الفصل الخامس عشر فی الإمامة والاقتداء، ۱-۲/ ۱۶۵-۱۶۶

❸ الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل السّابع فی المسبوق واللاحق، ۱/ ۹۱

نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: يَقضِي أوّلَ صَلاتِهِ فِي حَقِّ القِراءةِ وَآخرَها فِي حَقِّ التّشهُّدِ حَتّى لَوْ أدركَ رَكعةً مِن المغربِ قَضى رَكعتينِ وفصلَ بقَعدةٍ فيَكونُ بِثلاثِ قَعداتٍ وقَرأ فِي كُلّ فَاتحةً وسُورةً ولَو تركَ القراءةَ فِي إحداهُما تَفسدُ ولَو أدركَ رَكعةً مِن الرّباعيّةِ فعليهِ أن يَقضيَ رَكعةً يَقرأ فِيهَا الفاتحةَ وَالسّورةَ ويتشهّد ويَقضِي رَكعةً أخرَى كَذلكَ وَلَا يَتشهّدُ وفِي الثّالثةِ بِالخيارِ والقِراءةُ أفضلُ- [واللفظ للهندية]

یعنی، مسبوق قراءت کے حق میں پہلی اور تشہد کے حق میں آخری رکعت پڑھے گا یہاں کہ اگر کوئی مغرب کی ایک رکعت پائے تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور ان کے درمیان قعدہ کرے پس اس کے تین قعدے ہو جائیں گے اور ان دونوں میں فاتحہ اور سورت پڑھے اور اگر کسی ایک میں بھی قراءت چھوڑدی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر کوئی چار رکعت والی نماز میں سے ایک رکعت پائے تو اُس پر لازم ہے کہ ایک رکعت فاتحہ و سورت کے ساتھ پڑھے اور تشہد پڑھے پھر وہ ایک رکعت اسی طرح پڑھے اور اس میں نہ بیٹھے اور تیسری رکعت میں اُسے اختیار ہے اور قراءت افضل ہے۔

اور صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: مسبوق نے جب امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی شروع کی تو حق قراءت میں یہ رکعت اوّل قرار دی جائے گی اور حق تشہد میں پہلی نہیں بلکہ دوسری تیسری چوتھی جو شمار میں آئے مثلاً تین یا چار رکعت والی نماز میں ایک اُسے ملی تو حق تشہد میں یہ جو اَب پڑھتا ہے، دوسری ہے، لہٰذا ایک رکعت فاتحہ و سورت کے ساتھ پڑھ کر قعدہ کرے اور اگر واجب یعنی فاتحہ یا سورت ملانا ترک کیا تو اگر عمداً ہے اعادہ واجب ہے اور سہواً ہو تو سجدۂ سہو، پھر اس کے بعد والی میں بھی فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے اور اس میں نہ

بیٹھے، پھر اس کے بعد والی میں فاتحہ پڑھ کر رکوع کردے اور تشہد وغیرہ پڑھ کر ختم کردے، دو ملی ہیں دو جاتی رہیں تو ان دونوں میں قراءت کرے، ایک میں بھی فرض قراءت ترک کیا، نماز نہ ہوئی۔ (1)

اور اگر وہ دوسری رکعت پڑھ کر قعدہ کرے گا، جب بھی اُس کی نماز ہو جائے گی اور اس پر سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہو گا۔

چنانچہ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ (2) لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ (3) نقل کرتے ہیں: ولَو لَمْ يَقعدْ جازَ استحساناً لَا قياسًا، ولَمْ يَلزمهُ سُجود السَّهوِ لِكونِها أولَى منْ وَجهٍ۔ [واللفظ للحلبی]

یعنی، اگر وہ ان دو رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے جب بھی استحساناً جائز ہے قیاساً نہیں اور اُس پر سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہو گا کہ ایک اعتبار سے یہ اُس کی پہلی رکعت ہی ہے۔

اور امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: قول ارجح میں اسے یہی چاہئے کہ سلامِ امام کے بعد ایک ہی رکعت پڑھ کر قعدۂ اُولیٰ کرے پھر دُوسری بلا قعدہ پڑھ کر تیسری پر قعدۂ اخیرہ کرے مگر اس کا عکس بھی کیا کہ دو پڑھ کر بیٹھا پہلی پر قعدہ نہ کیا پھر تیسری پر قعدۂ اخیرہ کیا تو یوں بھی نماز جائز ہو گی سجدہ سہو لازم نہ آئے گا۔ (4)

---

(1) بہارِ شریعت، نماز کا بیان، جماعت کا بیان، ۱/۳/۵۹۰

(2) غنية المستملي في شرح مُنية المصلّي، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، ص ٤٠٥

(3) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فيما لو أتى بالركوع أو السجود أو بهما مع الإمام أو قبله أو بعده، تحت قوله: وتشهد بينهما، ٢/٤١٨

(4) فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب الامامہ، ۶/ ۳۸۰۔۳۸۱

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۶/ شعبان المعظم،۱۴۲۱ھ-۲۳نومبر،۲۰۰۰م

JIA-14

روزے میں بھول کر کھانا پینا

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کیاروزے کی حالت میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

(سائل: محمد نعمان قادری، پرانی سبزی منڈی، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں روزہ نہیں ٹوٹتاہے۔

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی۲۵۶ھ [1] اورامام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی۲۶۱ھ [2] اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ- [واللفظ للبخاری]

یعنی، جب کوئی شخص بھول کر کھالے یاپی لے تووہ اپناروزہ مکمل کرے اُس کواللہ تعالیٰ نے کھلایااور پلایاہے۔

اِس حدیث شریف کے تحت علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی۴۴۹ھ لکھتے ہیں: قالَ ابنُ المنذرِ: إذَا أكلَ أو شربَ ناسيًا، فلَا شيءَ عليهِ روينَا هذَا القولَ عَن عَليّ، وابْن عمرَ، وأبِي هُريرَةَ، وعطَاء،

---

[1] صحیح البخاری،کتاب الصوم،باب الصائم إذا أکل أو شرب ناسیاً، برقم: ۱۹۳۳، ۱ / ۴۷۶

[2] صحیح مسلم،کتاب الصیام،باب أکل الناسی وشربه وجماعه لا یفطر، برقم: ۱۱۵۵، ۲/ ۸۰۹

وطَاوس، والنّخعی، وبه قالَ أبُو حنیفةَ وأصحَابه، والثّوری، والأوزاعی، والشّافعی، وأبو ثورٍ، وأحمَد، وإسحَاق واحتجّوا بهذَا الحَدیث۔ ❶

یعنی، علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ جب کوئی روزہ دار بھول کر کھالے یا پی لے تو امیر المؤمنین حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور فقہائے تابعین میں سے عطاء، طاؤس اور ابراہیم نخعی اور ائمہ مجتہدین میں سے امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، سفیان ثوری، اوزاعی، امام شافعی، ابوثور، امام احمد اور ابواسحاق نے کہا ہے کہ اُس پر کچھ لازم نہیں ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: اس کی دلیل ہے کہ اُس کا روزہ فاسد نہ ہوا۔ اتمام بقیہ چیز کے پورا کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر بالفرض روزہ فاسد ہو جاتا تو روزے کا اتمام نہ ہوتا اور جب روزہ پورا ہو گیا تو نہ اُس پر کفّارہ ہے اور نہ اُس کی قضا ہے۔ ❷

اسی لئے فقہائے کرام نے بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ فاسد نہ ہونا لکھا ہے۔ چنانچہ امام ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ ❸ اور علامہ اکمل الدین محمد بن محمد بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ ❹ لکھتے ہیں: وإن أکلَ أو شَرب أو جامعَ ناسیًا لم یُفطِرْ۔ [واللفظ للثانی]

---

❶ شرح صحیح البخاری لابن بطّال، کتاب الصیام، باب الصائم إذا أکل أو شرب ناسیا، ٤/ ٦٠

❷ نزھة القاری، کتاب الصوم، باب الصائم إذا أکل أو شرب ناسیا، ٣/ ٣٢٨-٣٢٩

❸ کنز الدقائق، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده، ص ٢٢١

❹ الإرشاد فی الفقه الحنفی، کتاب الصوم، باب فی مکروهات الصوم وما یخرج منها، ص ٣٢٥/ ٣٢٨

یعنی، بھول کر کھایا یا پیا یا جماع کیا روزہ فاسد نہ ہوا۔

اور علامہ محمد بن عبد اللہ تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:(إذَا أكَلَ الصَّائِمُ أو شربَ أو جامعَ) حَالَ كَونِه (ناسيًا) فِي الفَرضِ والنَّفلِ (لَمْ يُفطِر).❶

یعنی، بھول کر کھایا یا پیا یا جماع کیا روزہ فاسد نہ ہوا چاہے وہ روزہ فرض ہو یا نفل۔

اس کے تحت علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:(قَولُه فِي الفَرضِ) ولَو قَضاءً أو كفَّارةً.❷

یعنی، اگرچہ قضا یا کفّارے کا روزہ ہو۔

والله تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الجمعة،۱۹/ شوال المكرم،۱٤۲۲هـ-٤/ جنوری،۲۰۰۱م

JIA-192

مَا يقولُ العلماءُ فِي مَن حلفَ القرآنَ

الاستفتاء: ما يقول العلماء في من حلف بالقرآن يكون حالفا أمْ لا- أيُكفَرُ عن يمينه أمْ لا إنْ يكفر فما كفّارته؟ بيّنوا بالبرهان و توجروا عند الرحمٰن- (سائل:محمد جاوید(سعد) القادری،کراتشی)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: إنّ الأصلَ في الحَلفِ أنّه لَايجُوز بغيرِ اللهِ تعالىٰ كالقرآنِ والنّبي والوَليِّ والمسجدِ ولكِن جَرى عُرف بوقُوع اليَمينِ بالقرآنِ كَما قَالَه العلاّمة السيّد مُحمّد أمين ابْن عابدِين الحَنفي الشّامِي المتوَفّى١٢٥٢هـ:وقَد قِيل هذَا فِي زمانِهم أمَّا فِي زمانِنا فيَمين و بِه نأخذُ و نأمرُ ونعتقدُ و قَال محمّد بنْ مقَاتل الرّازي:إنّه يمِين و بِه أخَذَ جمهُور

❶ تنویر الأبصار وشرحه الدر المختار، كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده،ص١٤٥-١٤٦

❷ رد المحتار،كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده،٣/ ٤١٩

مشائخنا اھ فهذَا مُؤيدٌ لكونِه صفَة تعُورفَ الحَلف بهَا كعزةِ اللهِ وجلالِه-❶

و اليمينُ بالقراٰنِ ليسَ بيمينٍ حتى تجبَ الكفّارةُ لكِن جرٰى عرفُ بوقوعِ اليَمينِ- والعوَام يزعُمونَ لَوحلفَ بالقُراٰنِ يحرمُ عَليه ذلكَ الفِعل و صَار هَذا الزّعم عُرفاً فِيما بينَهم وللعُرف أيضاً مَدخل فِى ترتيبِ الأحكامِ كَما حرّره العلّامةُ علاؤ الدّين مُحمّد بْن عَلى الحصكفِى الحنفِى المتوفّى١٠٨٨ھ: ولَايخفَى أنّ الحلفَ بالقُراٰن الآن متعَارف فيكُون يَميناً-❷

لما عُلِمَ مِنَ التقْرِيرِ أنّ اليَمين بالقراٰنِ كيمينٍ بِالله فِى الإنعقادِ- فاعْلَمْ أنّ كفّارتَه ككفّارتِه لأنّه يمِين و فِى اليمينِ فِى صُورةِ الحنثِ كفّارَة هَذه قاعِدة متعَارف فِى الشّرع الشّرِيف- ويكفرُ الحَالف لوجودِ الحنثِ لأنّ سببَه عندَنا الحنثُ-وقَال اللهُ تعالىٰ فِى كفّارةِ اليَمينِ: **فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ**❸ ،وقَال العَلّامة أبُو البَركَات عَبد اللهِ بْن أحمَد النّسفى الحَنفى المتوفّى٧١٠ھ: وكفّارَته تحرِير رقبةٍ أو إطعَام عشرَة مساكِينَ كهُمَا فى الظّهارِ أو كسوتُهم بمَا يَسترُ عَامّةَ البَدن فإنْ عجزَ عنْ أحدِها صامَ ثلاثةَ أيّامٍ متتَابعةً-❹

والله تعالىٰ أعلم بالصواب

۲۳/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ-۱۷،مئی ۲۰۰۱م

JIA-67 (Ref: 034-2001)

بیوہ بھابھی اور چچازاد بھائی سے نکاح کرنا

---

❶ رد المحتار،کتاب الأیمان،مطلب فی القرآن،تحت قوله: قال الکمال،۵/ ۵۰۳

❷ الدر المختار،کتاب الأیمان،تحت قوله: بغیر الله تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة، ص۲۸۱

❸ المآئدة:۵/ ۸۹

❹ کنز الدقائق،کتاب الأیمان،ص۳۲۸

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمر دونوں بھائی ہیں، زید کو زینب سے ایک لڑکا ہے اور عمر کو رحیاں سے ایک لڑکی ہے زید نے اپنے لڑکے کی منگنی عمر کی لڑکی سے کر دی ہے، اب زید کی بیوی مرگئی ہے اور زید کا بھائی عمر بھی مرگیا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا زید اپنے بھائی مرحوم عمر کی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے اور اپنے لڑکے کا نکاح اپنے بھائی مرحوم عمر کی لڑکی سے کر سکتا ہے یا نہیں؟

(سائل: مولانا الطاف قادری نعیمی، امام وخطیب جامع مسجد بلال، ایف ساؤتھ ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں زید اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ سے عدّت گزرنے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔

چنانچہ بھابھی سے نکاح کا حکم بیان کرتے ہوئے امام اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: جائز ست بالاتفاق بعد افتراق بموت یا طلاق برادر اصغر باشد یا اکبر۔ قال اللہ عزّوجلّ: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ❶-

یعنی، چھوٹے یا بڑے بھائی کے طلاق دینے یا فوتگی کے سبب جدائی کے بعد بالاتفاق جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محرّمات مذکورہ کے سوا تمہارے لیے حلال ہیں۔ ❷

اور زید اپنے لڑکے کا نکاح مرحوم عمر کی بیٹی سے کر سکتا ہے کیونکہ چچا کی بیٹی سے نکاح جائز وحلال ہے۔

چنانچہ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ ❸

---

❶ النسآء: ٤/ ٢٤

❷ فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، باب المحرّمات، ۱۱/ ۳۵۱

❸ فتح القدير، باب النكاح، فصل فی بيان المحرمات، ٣/ ١١٧

لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ [1] نقل کرتے ہیں: وتَحلّ بناتُ العمّاتِ وَالأعمامِ والخالاتِ وَالأخوالِ۔
یعنی، اور پھوپھی، چچا، خالہ اور ماموں کی لڑکیوں سے نکاح حلال ہے۔

اور چچازاد بھائی سے نکاح کا حکم بیان کرتے ہوئے فقیہ ملّت مفتی جلال الدین امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ کیا لأنّہ قال اللہ تعالیٰ: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ [2]

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۳،جمادی الأولیٰ ۱۴۲۲ھ، ۲۶ جولائی ۲۰۰۱م

JIA-95

شادی شُدہ عورت سے نکاح کرنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں اور ۱۳، اپریل ۲۰۲۱ء کو میں نے خلع کا کیس دائر کیا اور ۳۰ مئی ۲۰۲۱ء کو ایک شخص (ساگر حسین) نے میرے ساتھ جعلی نکاح کیا یعنی اس تاریخ کو جعلی نکاح نامہ بنوالیا۔ جبکہ میری خلع ۲۰ اگست ۲۰۲۱ء کو ہوئی اور میں ابھی عدت میں ہوں۔ اس صورت میں اس دھوکے باز کے نکاح کا شرعی حکم کیا ہو گا؟ (سائلہ: اقراء شاہ بنت محمد کریم، از ملیر کراچی)

[1] فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب المحرمات، ۱۱/ ۳۵۱

[2] فتاویٰ فیض الرسول، نکاح کا بیان، محرمات کا بیان، ۱/ ۵۷۷

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت ۳۰ مئی ۲۰۲۱ء کو اپنے شوہر کے نکاح میں تھی اس لئے اس سے کسی دوسرے کا نکاح متصوّر ہی نہیں کیونکہ منکوحہ سے نکاح حرام ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ۔ ❶

ترجمہ، اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۷۱ھ لکھتے ہیں: فالمرادُ بالمحصَناتِ ههُنا ذوَات الأزوَاجِ؛ يقالُ:امرأةٌ مُحصنةٌ أي مُتزوّجةٌ۔ ❷

یعنی، "مُحصنَات" سے مراد شوہر والی عورتیں ہیں، کہاجاتا ہے "مُحصَنہ عورت" یعنی، شادی شُدہ عورت۔

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حرام ہوئیں تم پر شوہر دار عورتیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

(وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ) عطفٌ على أمَّهَاتِكُمْ يعنى حُرِّمتْ عَليكم المحصَناتُ مِن النِّساءِ أى ذواتِ الأزواجِ۔ ❸

یعنی، یہ آیت "اُمَّهَاتِكُمْ" پر عطف ہے یعنی عورتوں میں سے تم پر مُحصَنات حرام کی گئیں یعنی شوہر والیاں۔

اور اس پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں مذکورہ آیت کریمہ سے مراد شوہر دار عورتیں ہیں اور جب تک یہ عورتیں شوہر دار ہیں ان سے کسی

---

❶ النسآء: ٤/ ٢٤

❷ الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، سورة النساء، تحت الآية: ٢٤، ٣/ ٥/ ١٢٠

❸ تفسير المظهرى، سورة النسآء، تحت الآية: ٢٤، ٢/ ٢٧٣-٢٧٤

دوسرے کا نکاح حرام ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں: اتّفق هؤلاء علی أنّ المرادَ بقولِه تعَالی: (وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ) ذواتُ الأزواجِ مِنهنّ وأنّ نكاحها حرامٌ ما دامتْ ذاتَ زَوجٍ۔ ❶

یعنی، اس پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ) سے مراد شوہر دار عورتیں ہیں اور جب تک وہ شوہر دار ہیں ان کا نکاح حرام ہے۔

اور حدیث شریف میں لفظ ''اِحصَان'' سے مراد شادی کو لیا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر ابن عربی متوفی ۵۴۳ھ نقل کرتے ہیں: وقال النّبي صلّی الله عليه وسلّم: أَحْصَنْتَ؟ يعني تَزَوّجتَ ؟ قال: نَعَمْ۔ ❷

یعنی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پوچھا کہ تم نے شادی کر لی ہے تو انہوں نے ہاں کہا۔

اس حدیث کو امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ نے اپنی ''سُنَن'' ❸ میں، اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی ''سُنَن'' ❹ میں اور حافظ علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے اپنی ''سُنَن'' ❺ میں روایت کیا ہے۔

---

❶ أحكام القران للجصاص، سورة النِّساء، تحت الآية: ۲۴، باب تحريم نكاح ذوات الأزواج، ۲/ ۱۹۳

❷ أحكام القران لابن العربي، سورة النساء، تحت الآية: ۲۴، ۱/ ۴۸۹

❸ سُنن أبي داود، كتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، برقم: ۴۴۳۰، ۴/ ۳۷۸

❹ السُنن الكبرى، كتاب الحدود، باب مايستدل به على شرائط الإحصان، برقم: ۱۶۹۲۶، ۸/ ۳۷۲

❺ سُنَن الدّار قُطني، كتاب الحدود والدّيات وغيره، برقم: ۳۲۱۳، ۲/ ۳-۲/ ۹۷

اسی لئے ہر شوہر والی عورت سے نکاح حرام ہے۔ چنانچہ حضرت عطاء بن سائب سے مروی ہے، کہتے ہیں: كلّ مُحصَنَةٍ عليكَ حرامٌ إلّا امرأة تَملِكُها بنكاحٍ قَال:أبو بَكرٍ:وكانَ تأويلُها عندَ هؤلاءِ أنّ ذواتِ الأزواجِ حَرامٌ إلّا عَلى أزواجِهِنّ۔❶

یعنی، ہر شادی شُدہ عورت تجھ پر حرام ہے سوائے اس عورت کے کہ نکاح کے سبب جس کے تم مالک ہو۔ امام ابو بکر نے فرمایا کہ اس مقام پر اس کی تاویل یہ ہے کہ شادی والی حرام ہے مگر ان کے شوہروں پر یعنی اُن پر حرام نہیں ہیں۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی لکھتے ہیں: أي ذواتُ الأزوَاجِ لَا يحلُّ لِلغيرِ نكاحُهنّ مَا لَم يمُتْ زوجُها أو يطلّقُها وتَنقضِي عدّتَها مِن الوفاةِ أو الطّلاقِ۔❷

یعنی، شوہر والی عورتوں سے کسی دوسرے کا نکاح حلال نہیں ہے جب تک اُس کا شوہر فوت نہ ہو جائے یا طلاق نہ دے دے اور اس کی وفات یا طلاق کی عدت ختم ہو جائے۔

لہٰذا جن سے نکاح نہیں ہو سکتا ان عورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ہمیشہ کے لئے حرام جیسے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ اور دوسری وہ جن سے نکاح عارضی طور پر حرام ہوتا ہے جیسے شادی شُدہ یا عدّت والی عورت۔ چنانچہ امام ابن عربی لکھتے ہیں: عددُ المحرّماتِ فِي الشّريعةِ عندَنا مِن النّساءِ أربعونَ امرأةً مِنهنّ أربعٌ وعشرونَ حُرّمنَ تحريمًا مؤبّدًا، ومنهنّ ستّ عشرةَ تحريمهنّ لعَارضٍ. وأمّا المحرّماتُ لِعَارضٍ المزوّجة، و المعتدّة۔❸

---

❶ أحكام القران للجصاص،سورة النساء،تحت الآية:٢٤،باب تحريم نكاح ذوات الأزواج،٢/ ١٩٨

❷ (تفسير المظهري،سورة النسآء،تحت الآية:٢٤،٢/ ٢٧٤)

❸ أحكام القران لابن العربي،سورة النسآء،تحت الآية:٢٤،١/ ٤٩٤

یعنی، شریعت میں جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ چالیس ہیں ان میں سے چوبیس عورتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اور سولہ وہ ہیں جن کا حرام ہونا کسی عارض کی وجہ سے ہے۔ جو عورتیں کسی عارض کی وجہ سے حرام ہیں ان میں سے ایک شادی شُدہ اور دوسری عدّت والی عورت ہے۔

ایک عورت جو ابھی تک کسی مرد کے نکاح میں ہے اُس سے دوسرے شخص کا نکاح کیسے منعقد ہوگا جبکہ وہ عورت جو کسی مرد کی عدّت میں ہو تو دوسرے مرد کے ساتھ اس کا نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ قریش کی عورت سے اُس کی عدّت میں ثقیف کے ایک مرد نے نکاح کرلیاہے تو آپ نے اُنہیں بلوایااوران کے درمیان تفریق (جُدائی) کردی اورانہیں سزادی۔ (1)

اور نکاح کرناتوڈور کی بات، عدّت میں صرف نکاح کاپیغام دینا بھی ممنوع ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔ (2)

ترجمہ، اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کروگے ہاں ان سے خفیہ وعدہ

---

(1) أحكام القران للجصاص، سورة البقرة، تحت الآية: ٢٣٥، باب التعريض بالخطبة فى العدة، ١/ ٥٨٠

(2) البقرة: ٢/ ٢٣٥

نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں معروف ہے، اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔(کنز الایمان)

اس آیت کے تحت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: یعنی عدّت میں نکاح اور نکاح کا کُھلا ہوا ایپام تو ممنوع ہے لیکن پردہ کے ساتھ خواہش نکاح کا اظہار گُناہ نہیں۔ ❶

اور حدیث شریف میں ہے: أنّ فُرِيعةَ بِنتَ مَالِكٍ حِينَ سَألتْ النّبِيّ ﷺ أجَابَهَا بِأنْ قالَ: لَا! حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أجَلَهُ، فَعَقَلَتْ مِنْ مَفْهُوْمِ خِطَابِهِ انْقِضَاءَ العِدّةِ- ❷

یعنی، حضرت فُریعہ بنت مالک نے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں (یعنی عدّت میں نکاح کے بارے میں) پوچھا تو آپ نے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا نہیں: (حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ) یعنی، یہاں تک کہ عدّت ختم ہو جائے، پس صحابیہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مفہومِ خطاب سے سمجھ گئیں کہ عدّت ختم ہو۔

اور معتدّہ کے ساتھ نکاح کے فاسد ہونے پر تمام فقہائے کرام متفق ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

چنانچہ امام جصاص رازی لکھتے ہیں: ولَا خلافَ بينَ الفقهاءِ أنّ مَن عقدَ عَلى امرأةٍ نكاحاً وهِيَ فِي عدّةٍ مِن غَيرِهِ أنّ النّكاحَ فَاسدٌ- ❶

---

❶ خزائن العرفان، مطبوعة: ضياء القرآن، لاهور

❷ أحكام القران للجصاص، سورة البقرة، تحت الآية: ٢٣٥، باب التعريض بالخطبة فى العدة، ١/ ٥٨٠

یعنی، فقہائے کرام کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص ایسی عورت سے نکاح کرے جو کسی دوسرے کی عدّت میں ہو وہ نکاح فاسد ہے۔

لہٰذا مذکورہ عورت سے اس شخص کا نکاح ہرگز ہرگز منعقد نہیں ہوا، اور حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسے شخص کے خلاف سخت سے سخت کاروائی کرے تاکہ آئندہ کوئی قرآن کریم کے صریح احکام سے بغاوت کرنے کی جرأت نہ کرے اور اس شخص کے اس عمل کی خوب تشہیر کی جائے تاکہ اور کوئی سادہ لوح عورت اس کے جھانسے میں نہ آئے اور یہ شخص سخت گنہگار مستحق نار ہے اور سخت سزا کا مستحق ہے اور اگر وہ منکوحہ عورت سے نکاح کو حلال جانتا تھا، جب تو دائرۂ اسلام ہی سے خارج ہے کیونکہ منکوحہ سے نکاح کی حُرمت نہ صرف یقینی ہے، بلکہ ضروریاتِ دین سے ہے، پس اسے حلال بتانے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ قطب شریعت محی الدین محمد بن بہاؤالدین حنفی ماتریدی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:قد عرفتَ أنّ حقيقة الإيمان هِی التّصديق أو هُو مَع الإقرار، والإعمال خارجة عنها وإن كانتْ مُكمّلة له فلَا نكفّر المسلمَ بالذّنب وإن كان كبيرة ولا يَخرجُ عن الإتّصاف بالإيمان لأنّ الذّنب لا يضادّه ولا يُنافيهِ فيكون المذنِب صاحب الكبيرة مؤمناً حقيقةً لتحقّق حقيقةِ الإيمان فی قلبِه- وأمّا إذا استحلّ الذّنب وكانت صَغيرة يكونُ مُكذّباً للشّارع فی النّهی- فيزولُ التّصديق عَن قلبِه فيكونُ كافراً نعوذُ بالله- ❷

❶ أحكام القران للجصاص،سورة البقرة،تحت الآية:۲۳۵،باب التعريض بالخطبة فی العدة،۱/ ۵۸۰

❷ القول الفصل شرح الفقه الأكبر،فصل فی النصّ،تحت قوله: ولا نكفّر مسلماً بذنب إلخ،ق۱۰۰/ ألف-ب،ص۳۰۶

یعنی، تحقیق آپ جان چکے ہیں کہ ایمان کی حقیقت تصدیق ہے یا تصدیق مع الاقرار، اوراعمال اس سے خارج ہیں اگرچہ یہ ایمان کو کامل کرنے والے ہیں، اسی لئے ہم گُناہ کرنے کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کریں گے اگرچہ وہ گُناہ کبیرہ ہو، اور نہ ہی وہ ایمان کے ساتھ متّصف ہونے سے خارج ہو گا کیونکہ گناہ ایمان کی ضد نہیں اور نہ ہی اس کے مُنافی ہے۔ لہٰذا گُناہ کبیرہ کرنے والا حقیقی مومن ہے کیونکہ اس کے دل میں ایمان کی حقیقت ثابت ہے۔ اور جب وہ گناہ کو حلال جانے اور وہ صغیرہ گُناہ ہو تو وہ نہی میں شارع (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرنے والا ہے پس اس کے دل سے تصدیق زائل ہو جائے گی جس کی وجہ سے وُہ نَعوذ باللہ کافر ہو جائے گا۔

اور علامہ ابوالمنتہی احمد بن محمد حنفی لکھتے ہیں: وأمّا مَن استحلّ معصيةً وقد ثبتَ بدليلٍ قطعيٍّ فهو كافرٌ بالله تعالىٰ لأنّ استحلالها تكذيب بالله تعالىٰ ورسوله-[1]

یعنی، اور جو ایسے گُناہ کو حلال جانے جس کا ثبوت یقینی دلیل سے ہو تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے گُناہ کو حلال جان کر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے۔

اور مُلّا علی بن سلطان قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: إذَا اعتقدَ الحرامَ حلالاً، فإنْ كانَ حرمتُه لعينه، وقد ثبتَ بِدليل قَطعِي يكفرُ، و إلّا فلَا بأنْ تكونَ حرمتُه لِغيرِه، أو ثبتَ بدَليل ظَنّي، وبعضهُم لَم يفرّقْ بينَ الحرامِ لعَينه ولغَيرِه، فقَال: مَن استحلّ حَراماً، وقَد علمَ في دينِ النّبي ﷺ تَحريمه كنِكاح

[1] شرح الفقه الأكبر لأبي المنتهى، تحت قوله: ولا نكفر مسلماً بذنب إلخ

ذَوِي المحارِمِ، أو شربَ الخمر، أوْ أكل ميتَة، أو دَم، أو لَحم خِنزيْرٍ مِن غَيرِ ضَرورة فكافِر-❶

یعنی، جب کوئی حرام کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھے تو اگر اُس کی حُرمت اُس کے عین کی وجہ سے ہو، اور وہ قطعی دلیل سے ثابت ہو تو وہ کافر ہو جائے گا ورنہ نہیں بایں طور پر کہ اُس کی حُرمت اُس کے غیر کی وجہ سے ہو یا ظنّی دلیل سے ثابت ہو، اور بعض اہل علم نے حرام لعینہ اور حرام لغیرہ کے درمیان فرق نہیں کیا ہے، پس فرمایا کہ جو حرام کو حلال بتائے اور اُس کی حُرمت دینِ محمدی صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم میں معلوم ہو، جیسے ذوی الارحام سے نکاح کرنا، شراب پینا، مردار، خون یا بلا ضرورت خنزیر کھانا۔

اور علامہ علاء الدین علی بن محمد بغدادی متوفی ۷۴۱ھ لکھتے ہیں: وقیل: إنّ مَن أحلّ ما حرّم الله أو حرّم مَا أحلّ الله أوْ جحدَ بشَيءٍ مِمّا أنزلَ الله فقدْ كفرَ بالله وحبطَ عَمله المتقدّم-❷

یعنی، اور کہا گیا کہ بے شک جس نے اللہ عزّوجلّ کے حرام کردہ کو حلال کیا، یا اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام کیا، یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کسی چیز کا انکار کیا تو بے شک اُس نے اللہ عزوجل کا انکار کیا اور اُس کے سابقہ اعمال برباد ہو گئے۔

اور صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: جس چیز کی حلّت، نص قطعی سے ثابت ہو اُس کو حرام کہنا اور جس کی حُرمت یقینی ہو اسے حلال بتانا کفر ہے، جبکہ یہ حکم ضروریاتِ دین سے ہو، یا منکر اس حکمِ قطعی سے آگاہ ہو۔❸

---

❶ شرح كتاب فقه الأكبر، مسألة استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، ص ۲۵۴/ ۲۵۵

❷ تفسير الخازن، سورة المائدة، تحت الآية: ۵، ۲/ ۱۵

❸ بہارِ شریعت، ایمان وکفر کا بیان، ۱/۱/ ۱۷۶۔۱۷۷

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

بیوی کی بھانجی سے نکاح کرنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرا شوہر زید جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ میری سگی بہن کی بیٹی ہے کیا اس لڑکی سے جو میری بھانجی ہے شرعاً زید شادی کرنے کا مجاز ہے؟ بيّنوا و توجروا عند الله. (سائلہ: ایک خاتون، از ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں جب تک آپ زید کے نکاح میں ہیں، وہ آپ کی بھانجی سے ہرگز نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت وارد ہے۔

چنانچہ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَ عَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا»-❶

یعنی، بھتیجی اور پھوپھی کو اور بھانجی اور خالہ کو نکاح میں ایک ساتھ نہ جمع کیا جائے۔

اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُزَوَّجَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا، أَوْ عَلَى خَالَتِهَا»-❷

---

❶ صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة و عمتها أو خالتها فى النكاح، برقم: ١٤٠٨، ٢/ ١٠٢٨

❷ سُنَن الترمذى، كتاب النكاح، باب ماجاء لا تنكح المرأة على عمّتها أو على خالتها، برقم: ١١٢٥، ٢/ ٢٠٠

یعنی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کسی عورت سے اُس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اسی لئے فقہائے احناف نے لکھا کہ بیک وقت خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ فقیہ النفس علامہ حسن بن منصور اُوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: لَا يَجوزُ لَه أن يتزوّجَ امرَأة عَلى عمّتِها ولَا عَلى خَالتِها- ❶

یعنی، کسی عورت سے اُس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح کرنا، جائز نہیں ہے۔

اورامام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: (ولا يَجمعُ بينَ المرأةِ وعمّتِها أو خَالتِها) لقولِه عَليه الصّلَاة والسّلَام " لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا " وَهذا مشهورٌ تجوزُ الزيادةُ علَى الكتابِ بمثلِه- ❷

یعنی، اور کسی عورت اور اُس کی پھوپھی یا خالہ کو نکاح میں جمع نہ کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ "کسی عورت سے اُس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کیا جائے" اور یہ حدیثِ مشہور ہے اس کی مثل کے ذریعے قرآن کریم پر زیادتی جائز ہے۔

ہاں اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے اگرچہ تین طلاقیں، تو عدّت گزرنے کے بعد اُس کی بھانجی سے نکاح کر سکتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔ چنانچہ علامہ محمد بن عبد اللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علامہ علاءالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (وَ) حَرم (الجمعُ) بينَ المَحارِمِ (نكاحًا) أيْ عقدًا

---

❶ فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية، كتاب النكاح، باب فی المحرمات، ۱/ ۳۶۵
❷ بداية المبتدی و شرحه الهداية، كتاب النكاح، فصل فی بيان المحرمات، ۱/ ۲۲۶

صحيحاً (وعدةً ولو مِن طلاقٍ بَائنٍ، وَ) حرُم الجمعُ (بينَ امرأتينِ أيّتهمَا فُرِضتْ ذكرًا لَمْ تحلّ للأُخرى) أبدًا لحديثِ مُسلمٍ: «لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا»۔ ❶

یعنی، محارم کو نکاح یعنی عقدِ صحیح اور عدّت میں جمع کرنا حرام ہے اگرچہ طلاقِ بائن کی عدّت ہو، اور ایسی دو عورتوں کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ جس ایک کو مرد فرض کریں، دُوسری اُس کے حق میں ہمیشہ کیلئے حلال نہ ہو، کیونکہ ''مسلم'' کی حدیث ہے کہ ''کسی عورت سے اُس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے''۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: وہ دو عورتیں کہ اُن میں جس ایک کو مرد فرض کریں، دوسری اس کے لیے حرام ہو (مثلاً دو بہنیں کہ ایک کو مرد فرض کرو تو بھائی، بہن کا رشتہ ہوا یا پھوپی، بھتیجی کہ پھوپی کو مرد فرض کرو تو چچا، بھتیجی کا رشتہ ہوا اور بھتیجی کو مرد فرض کرو تو پھوپی، بھتیجے کا رشتہ ہوا یا خالہ، بھانجی کہ خالہ کو مرد فرض کرو تو ماموں، بھانجی کا رشتہ ہوا اور بھانجی کو مرد فرض کرو تو بھانجے، خالہ کا رشتہ ہوا) ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتا بلکہ اگر طلاق دے دی ہو اگرچہ تین طلاقیں تو جب تک عدّت نہ گزر لے، دوسری سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ❷

اور اگر بیوی فوت ہو جائے تو فوراً بھی اُس کی بھانجی سے نکاح جائز ہے۔

چنانچہ امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: زوجہ کا انتقال ہوتے ہی فوراً اس کی بھتیجی بھانجی سے نکاح جائز ہے، لعدمِ الجمع نکاحاً

---

❶ تنویر الأبصار و شرحه الدرّ المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ص ۱۸۰

❷ بہارِ شریعت، محرمات کا بیان، ۲/۷/۲۷

ولا عدّةَ إذ لا عدّةَ على الرّجلِ كما حققه فِي العقودِ الدّريةِ-❶

بوجہ عدمِ اجتماع کے نکاح اور عدّت میں کیونکہ مرد پر عدّت نہیں ہوتی جیسا کہ "العقود الدریۃ" میں تحقیق فرمائی۔❷

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

٦/ ربیع الثانی ١٤٢٢ھ-٢٧جون،٢٠٠١م

JIA-85

طلاق مغلّظ کے بعد ساتھ رہنے کی جائز صورت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّی عثمان بلوچ نے اپنی بیوی مسمات شاہین کو باہوش وحواس بلااِکراہ وخوف تین طلاقیں دیں۔ بعد ازاں یہ کہ ان دونوں نے اکٹھا رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو از روئے شرع جواز کی کیا صورت ہوگی؟(سائل: معرفت غلام محمد، غریب آباد، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: جواز کی صورت یہ ہے کہ مذکورہ خاتون عدّت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے اوروہ اس سے صحبت بھی کرے پھر اگر طلاق دے یا فوت ہو جائے اور عدّت پوری ہو جائے تو دوبارہ نکاح کریں، بے اس کے ساتھ رہنا حرام ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔❸

ترجمہ، پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک

❶ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب النکاح، ١/ ١٧، مطبوعۃ: مکتبہ حقّانیہ، بشاور

❷ فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، باب المحرمات، ١١/ ٤٢٣

❸ البقرۃ: ٢/ ٢٣٠

دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

اورامام ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اورامام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی اپنی سند کے ساتھ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، فرماتی ہیں: جاءتْ امرأةُ رِفاعةَ القُرَظِيِّ النّبيَّ صلّى الله عليه وسلّم، فقالت: كنتُ عند رفاعة، فطلّقني، فأبتَّ طلاقي، فتزوّجتُ عبدَ الرّحمن بنَ الزّبيرِ إنّما معهُ مثلُ هُدبَةِ الثوب، فقالَ: «أتُرِيدِينَ أنْ تَرْجعِي إلَى رِفَاعَةَ؟ لاَ، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ»-[1]

یعنی، رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، اُنہوں نے مجھے طلاقِ مغلّظ دے دی، پھر میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا اوراُن کے پاس توصرف کپڑے کے پلّو کی مثل تھا (یعنی وہ نامرد تھے) تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ لیکن یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم اوروہ (عبد الرحمٰن بن زبیر) ایک دوسرے کی مٹھاس نہ چکھ لو (یعنی جماع نہ کرلو)۔

اس کے تحت علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: ومما يستفاد منه: أنَّ الرّجل إذا أرادَ أن يُعِيد مطلّقته بالثلاث، فَلا بُدّ من زَوج آخر يتزوّج بها وَيدخل علَيها. وأجمعتِ الأمّة على أن الدّخول شرط الحِلّ للأوّل، وَلم يُخالف في ذلِك إلّا سعيد بن المسَيّب والخوارج والشّيعة، وَداوُد الظّاهِرِيّ، وبشر المريسي، وَذلك الختلاف لَا خلاف لعدمِ استنادِهم إلَى دَلِيل، وَلهَذا

[1] صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب شهادة المختبي، برقم: ٢٦٣٩، ٢/ ١٦٦
صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، برقم: ١٤٣٣، ٢/ ١٠٥٥-١٠٥٦

لَو قضى بِهِ القَاضِي لَا ينفذ، وَالشرط الْإِيلَاج دون الْإِنْزَال-❶

یعنی،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد اُس سے رُجوع کرنا چاہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ اس کے ساتھ ہمبستری کرے اور اس پر اُمّت کا اجماع ہے کہ یہ پہلے شوہر کے لئے اس عورت کے حلال ہونے کی شرط ہے،اس مسئلہ میں صرف سعید بن مسیب، خوارج، شیعہ، داود ظاہری اور بشر مریسی نے خلاف کیا ہے اور اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے،اسی وجہ سے اگر قاضی اس کا فیصلہ کردے تو نافذ نہ ہو گا اور اس میں ہمبستری شرط ہے، انزال شرط نہیں ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں: وَلَا تَحِلّ الحرّة بعدَ الثلاثِ ولا الأمَةُ بعد الثِّنْتَيْنِ إلّا بعد وَطءِ زوجٍ آخر بنكاحٍ صحيحٍ ومُضِيّ عدّتِه-❷

یعنی، آزاد عورت تین طلاقوں کے بعد اور باندی دو طلاقوں کے بعد حلال نہیں ہوتی مگر نکاح صحیح کے ذریعے شوہر ثانی کے وطی کرنے اور اس کی عدّت گزرنے کے بعد۔

اور علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: إذا كان الطّلاقُ بائنًا دونَ الثّلاثِ فله أن يَتزوّجها في العدّة وبعد انقضائها وإن كان الطّلاق ثلاثًا في الحرّة وثِنتينِ في الأمة لم تحلّ له حتّى تنكحَ زوجًا غيرَه نكاحًا صحيحًا ويدخُلَ بها ثُمّ يُطلّقَها أو يموتَ عنها كذا في الهداية ولا فرقَ في ذلك بين كَون المطلّقة مدخولًا بها أو غيرَ مدخولٍ بها كذا في فتح القدير-❸

---

❶ عمدة القاری،کتاب الشهادات،باب شهادة المختبي،۹/ ۴۷۸-۴۷۹

❷ ملتقى الأبحر،کتاب الطلاق،باب الرجعة،ص ۲۶۰

❸ الفتاوی الهندیة،کتاب الطلاق،الباب السادس فی الرجعة وفيما تحل به المطلقة وما

یعنی، جس عورت کو تین سے کم طلاق بائن دی ہے اس سے دوران عدّت بھی نکاح کرسکتاہے اور بعد عدّت بھی اور تین طلاقیں دی ہوں یاباندی کو دوتووہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ وہ مُطلّقہ کسی دوسرے مرد سے نکاح صحیح کرے اور یہ شوہر ثانی اس عورت سے بھی وطی بھی کرلے پھر اسے طلاق دے یافوت ہوجائے، اسی طرح "الهداية" 1 میں ہے اوراس میں کوئی فرق نہیں کہ مُطلّقہ مدخولہ ہویاغیر مدخولہ، اسی طرح "فتح القدير" 2 میں ہے۔

اور صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: جس عورت کو تین سے کم طلاق بائن دی ہے اُس سے عدّت میں بھی نکاح کرسکتاہے اور بعد عدّت بھی اور تین طلاقیں دی ہوں یالونڈی کو دو تو بغیر حلالہ نکاح نہیں کرسکتا اگرچہ دخول نہ کیاہو البتہ اگر غیر مدخولہ ہو(جس سے دخول نہ کیاگیاہو) تو تین طلاق ایک لفظ سے ہوگی تین لفظ سے ایک ہی ہوگی جیسا کہ پہلے معلوم ہوچکا اور دوسرے سے عدّت کے اندر مطلقاً نکاح نہیں کرسکتی تین طلاقیں دی ہوں یا تین سے کم۔ 3

والله تعالىٰ أعلم بالصواب

يوم الأربعاء، ٢٥/ رجب المرجب، ١٤٢٦هـ-٣١/ أغسطس، ٢٠٠٥م

مختلف وقتوں میں طلاق دینا

يتصل به، ١/ ٤٧٢-٤٧٣

1 الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، ١/ ٢/ ٢٩٧

2 فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، تحت قوله: وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة إلخ، ٤/ ٣١

3 بہار شریعت، طلاق کابیان، رجعت کابیان، ۱/۸/۱۷۷

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑے ہوتے رہے ہیں تقریباً چار پانچ سال پہلے ان کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا تو اس وقت بھی شوہر نے میں طلاق دیتا ہوں کے الفاظ ادا کئے تھے۔

لیکن پھر درگزر کر کے صلح ہوئی، ساتھ رہتے رہے لیکن حال ہی میں رمضان المبارک کے ساتویں یا آٹھویں دن جھگڑے میں بیوی اپنے والدین کے گھر گئی اور شوہر بھی ان کے یہاں پہنچا اس وقت عزیز و رشتہ دار ایک موجود تھے ایک رشتہ دار نے لڑکے کو بُرا بھلا کہا کہ تم عورت کو نہیں سنبھال سکتے ہو تم نامرد ہو۔

اس پر لڑکے نے کہا کہ تم چاہتے ہو میں طلاق دے دوں پھر لڑکے نے کہا کہ چلو میں نے طلاق دی یہ الفاظ نکالتے ہی فوراً ایک لڑکے نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ دوسرا الفاظ ادا نہ کر سکے اور نہ ادا کیا۔

اس طرح چار پانچ سال پہلے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے اور رمضان کے مہینے میں پھر دوسری مرتبہ یہ الفاظ ادا کئے اس طرح دو مرتبہ طلاق دی کے الفاظ کہہ دیئے تھے اور میاں بیوی بھی دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دو مرتبہ طلاق دی ہے۔

لہٰذا جناب اس اہم مسئلہ کے مطابق فتویٰ جاری فرمائیں کہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ میں کیا فرماتی ہے تاکہ ہم شرعی فتویٰ کے مطابق فیصلہ کر سکیں اور غیر شرعی فیصلے سے بچ جائیں۔

(سائل: حاجی عبد العزیز، جامع مسجد محمدی الیاس گوٹھ، لیاقت آباد، کراچی وسطی)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل شوہر نے جب پہلی بار اپنی بیوی سے کہا تھا کہ "میں طلاق دیتا ہوں" تو اس سے ایک

طلاقِ رجعی واقع ہو گئی تھی کیونکہ یہ لفظ طلاق میں صریح ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (صریحهُ ما لم يُستعمَل إلّا فيه كطلّقتُک وأنتِ طالقٌ ومُطلّقةٌ يقعُ بها) أی بهذهِ الألفاظِ وما بمعناها مِن الصّريحِ (واحدةٌ رجعيّةٌ)- ملخصًا❶

یعنی، طلاق کے صریح الفاظ وہ ہیں جو صرف طلاق کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں جیسے میں نے تجھے طلاق دی، اور تو طلاق والی ہے اور تو مطلّقہ ہے ان الفاظ سے اور اُن الفاظِ صریحہ سے جو ان کے ہم معنی ہوں، ایک رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

اس کے تحت علامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں: قوله: وما بمعناها: أی من الأمر كونی طالقًا أو أُطلُقی كما سيأتی و المضارع نحو أطلّقک إذا غلب فی الحال كذا فی البَحر عن الفَتح-❷

یعنی، جو الفاظِ صریحہ کے ہم معنی ہوں یعنی اَمر سے "تو طلاق والی ہو جا" جیسا کہ عنقریب آئے گا اور صیغہ مضارع سے مثلاً میں تجھے طلاق دیتا ہوں جب کہ حال میں غالب ہو، اسی طرح "البحر" ❸ میں "الفتح" ❹ کے حوالے سے ہے۔

"درمختار" کے تحت علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: (وقولُه وما بمعناها مِن الصّريحِ) أی مثلُ ما سيذكرُه من نحو: كُونی طالقًا ويا مُطلّقة بالتّشديد، وكذا المضارعُ إذا غلبَ فی الحال مثلُ أطلّقک

---

❶ الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الصریح، ص ۲۰۷

❷ تعلیقات علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الصریح، ق ۲۴۰/ب

❸ البحر الرائق شرح كنز الدقائق،كتاب الطلاق،تحت قوله:الصريح كأنت طالق ومطلقة وطلقتك، ۳/ ۴۳۹

❹ فتح القدير،كتاب الطلاق،باب إيقاع الطلاق،تحت قوله:ولو قال انت مطلقة إلخ،۳/ ۳۵۴

کما فی "البَحر" -❶

یعنی، اور صاحب دُر کا قول "اور جو الفاظ صریحہ ان کے ہم معنی ہوں" یعنی جیسے تو طلاق والی ہو جا یا تشدید کے ساتھ اے مطلّقہ اور اس طرح مضارع جب کہ حال میں غالب ہو مثلاً میں تجھے طلاق دیتا ہوں جیسا کہ "البحر" میں ہے۔

اور اگر اس طلاق کے بعد شوہر نے عدّت کے اندر رُجوع کر لیا تھا تو وہ عورت بدستور اس کی بیوی رہی اور آئندہ اس کے پاس صرف دو طلاقوں کا حق باقی تھا۔

پھر چار پانچ سال بعد جب جھگڑے کے بعد بیوی اپنے میکے گئی اور شوہر اسے لینے کے لئے پہنچا تو عورت کے رشتہ داروں میں سے کسی کے اُسے بُرا بھلا کہنے اور یہ کہنے کہ تم عورت کو نہیں سنبھال سکتے ہو تم نامرد ہو، کے جواب میں شوہر کا یہ کہنا کہ "تم چاہتے ہو میں طلاق دے دوں چلو میں نے طلاق دی" اگرچہ بظاہر شوہر کے ان الفاظ میں اضافت نہیں اور وقوعِ طلاق کیلئے اضافت ضروری ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں: لم یقع لترکِهِ الإضافةَ إلیها- ❷

یعنی، اس کے عورت کی جانب اضافت ترک کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہو گی۔

مگر چونکہ ملامت کرنے والے رشتہ دار کو جو اس کی بیوی کے بارے میں اسے ملامت کر رہا تھا شوہر کا یہ کہنا "تم چاہتے ہو میں طلاق دے دوں" اس کا مطلب یہی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں اور پھر شوہر کا یہ کہنا "چلو

---

❶ رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب: سن بوش یقع به الرجعی، ٤/ ٤٤٥

❷ الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الصریح، تحت قوله: کطلقتك و أنت طالق ومطلّقة، ص٢٠٧

میں نے طلاق دی" اس کے یہی معنی ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔

کیونکہ کلام میں اضافت کا صراحۃً پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں: ولا يلزمُ كونُ الإضافةِ صريحةً في كلامِه، لما في "البَحر" لو قال: طالقٌ فقيل له من عَنَيت؟ فقال امرأتي طلُقتْ امرأتُه۔ ❶

یعنی، اور اضافت کا کلام میں صراحۃً پایا جانا لازمی نہیں چنانچہ "البحر" ❷ میں ہے اگر شوہر نے کہا طلاق والی تو اس سے پوچھا گیا کہ تیری مراد کون ہے؟ اس نے جواب میں کہا میری بیوی تو اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی۔

لہٰذا دوسری طلاق بھی واقع ہو گئی جب کہ شوہر نے پہلی طلاق کے بعد عدّت کے اندر رُجوع کر لیا ہو اور اگر رُجوع نہیں کیا تھا تو دوسری طلاق واقع نہ ہوئی کیونکہ پہلی طلاق کی عدّت گزرتے ہی عورت بائنہ ہو کر دوسری طلاق کی محل نہ رہی۔

چنانچہ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ ❸ اور علمائے ہند کی ایک جماعت ❹ نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: حُكمه فوقوعُ الفُرقةِ مُؤجَلًا بانقضاءِ العدّة في الرّجعيّ وبدُونه في البائنِ۔ [واللفظ للأوّل]

یعنی، طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی ہو تو عدّت گزرنے پر اور بائنہ ہو تو عدّت

---

❶ رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الصريح مطلب: "سن بوش" يقع به الرجعي، تحت قوله: لتركه الإضافة، ص۲٤۸

❷ البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب الطلاق، تحت قوله: الصريح كأنت طالق ومطلقة وطلقتك، ۳/ ٤٤۲

❸ فتح القدير، کتاب الطلاق، ۳/ ۳۲۷

❹ الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الأوّل في تفسيره وركنه وشرطه إلخ، ۱/ ۳٤۸

گزرے بغیر ہی جدائی واقع ہو جائے گی۔

لہٰذا چار پانچ سال بعد اُسے طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوئی۔

چنانچہ علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں: ومحلّه المنكوحةُ۔ ❶

یعنی، طلاق کا محل منکوحہ ہے۔

دوسری طلاق نہ ہونے کی صورت میں اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مہر جدید کے ساتھ تجدید نکاح ضروری ہے، بے اس کے دونوں کا ساتھ رہنا حرام و ناجائز ہے۔ اور آئندہ شوہر کو صرف دو طلاق کا حق باقی رہے گا، جب بھی دو طلاق دے گا تو یہ عورت اُس پر حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی اور بے حلالہ شرعیہ دوبارہ حلال نہ ہو گی۔

اور اگر شوہر نے پہلی طلاق کے بعد دورانِ عدّت رُجوع کر لیا تھا اور اب اُس نے دوسری طلاق کے بعد پھر دورانِ عدّت رُجوع کر لیا ہے تو وہ عورت بدستور اُس کی بیوی ہے اور آئندہ اُسے صرف ایک طلاق کا حق باقی رہے گا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ۔ ❷

ترجمہ: طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ (کنزالایمان)

اس لئے جب بھی مزید ایک طلاق دے گا تو وہ عورت اُس پر حُرمتِ مغلّظ

---

❶ تنویر الأبصار مع شرحه الدر المختار، كتاب الطلاق، ص ۲۰۵

❷ البقرۃ: ۲/ ۲۲۹

کے ساتھ حرام ہو جائے گی اور بے حلالہ شرعیہ دوبارہ حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (1)

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: رُجوع کر لینے کے بعد بھی یہ طلاق شمار ہوتی ہے اور اس کی حیثیت ختم نہیں ہوتی، باقی رہتی ہے۔ لہٰذا ان کے بعد (یعنی دو طلاقوں کے بعد) اگر طلاق دے گا تو اب رُجوع نہیں کر سکتا۔ صُورتِ مسئولہ میں زید نے دو مرتبہ طلاقِ رجعی دی اور رُجوع کر لیا۔ پھر طلاق دی، جس سے زید کی بیوی پر تین مغلّظ طلاقیں واقع ہو گئیں اور زید پر یہ بیوی حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ حرام ہو گئی۔ اب ان دونوں کا نکاح بغیر حلالہ شرعی کے نہیں ہو سکتا۔ (2)

اور اگر شوہر نے پہلی مرتبہ دورانِ عدّت رُجوع کر لیا تھا اور اب اُس نے دوسری طلاق دینے کے بعد دورانِ عدّت رُجوع نہیں کیا تو عورت پر سابقہ ایک طلاق اور یہ دوسری مل کر دو طلاقیں واقع ہو گئیں اور عورت اُس کے نکاح سے خارج ہو گئی، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا ہو گا مگر یہاں بھی آئندہ شوہر کو صرف ایک طلاق کا اختیار باقی رہے گا، جب بھی ایک طلاق دے گا تو عورت اُس پر حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی اور بے حلالہ شرعیہ دوبارہ

---

(1) البقرۃ:۲/ ۲۳۰

(2) وقار الفتاوی، کتاب الطلاق، طلاقِ رجعی اور بائن کا بیان، ۳/ ۱۶۳

حلال نہ ہو گی۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۵/ شوال، ۱۴۲۳ھ-۳۰/ دسمبر، ۲۰۰۲م

JIA-390

تین طلاقیں لکھ کر بھیجنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اشرف ولد عبد الرزاق موسانی نے اپنی زوجہ آنیسہ بنت رحمت اللہ کسباتی کو تحریری طور پر تین طلاقیں دیں جو اُس نے ایک اسٹامپ پیپر پر لکھ کر بھیجی ہیں اور اسٹامپ پیپر پر طلاق کے بارے میں اُس کی تین مرتبہ یہ تحریر ہے کہ "میں اشرف ولد عبد الرزاق موسانی اپنی بیوی آنیسہ بنت رحمت اللہ کسباتی کو طلاق دیتا ہوں" اس صُورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی۔ (سائل: محمد رفیق، بانٹوا نگر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ تین بار لکھنے سے شخص مذکور کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں کیونکہ حال کے صیغے سے طلاق ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نقل کرتے ہیں: صیغةُ المضارعِ لا یقعُ بها الطّلاقُ إلّا إذا غلبَ فی الحالِ۔ (1)

یعنی، مضارع کے صیغے سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر جب حال میں غالب ہو۔

اور تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں اور اُن سے نقل کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم حنفی اور علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت

---

(1) العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة، کتاب الطلاق، ۱/ ۳۸

نے لکھا ہے: الکتابُ کالخطَابِ-❶

یعنی، تحریر کلام کی طرح ہے۔

اوراب حلالہ شرعیہ کے بغیر ان دونوں کا نکاح ہر گز نہیں ہو سکتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ۔❷

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ١٢/ ربیع الآخر، ١٤٣٦ھ-٢/ فبرایر ٢٠١٥م

تین بار "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" کہنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوہر نے بیوی سے کہا سحر ش میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، بیوی اور شوہر کے علاوہ وہاں کوئی اور موجود نہ تھا، اب شوہر اور بیوی دونوں اقرار کرتے ہیں کہ ہاں طلاق دی ہے کیا طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ اور بیوی حاملہ بھی ہے، کیا اس صُورت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔

(سائل: محمد رئیس صاحب، الیف ساؤتھ، جناح اسکوائر، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں شوہر کے الفاظ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" تین بار کہنے سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں

---

❶ الهداية، كتاب البيوع، ٢/ ٢٣، الأشباه والنظائر، الفن الثالث: الجمع والفرق، أحكام الكتابة، ص٣٣٩، الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب الأول فى تعريف البيع وركنه وشرطه إلخ، ٣/ ٩

❷ البقرة: ٢/ ٢٣٠

کیونکہ حال کے صیغے سے طلاق ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نقل کرتے ہیں: صیغۃُ المضارعِ لا یقعُ بھا الطّلاقُ إلّا إذا غلبَ فی الحالِ۔ ❶ یعنی، مُضارع کے صیغے سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر جب حال میں غالب ہو۔

اوراب حلالہ شرعیہ کے بغیر ان دونوں کا نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ۔ ❷

ترجمہ، پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

اوراگرچہ طلاق دیتے وقت شوہر کے علاوہ وہاں کوئی اور موجود نہ تھا مگر طلاق واقع ہو گئی کیونکہ طلاق بالکل تنہائی میں دی جائے جب بھی واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ امام اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: شوہر اوّل طلاق دینے کا مُقِر ہے مگر عُذر صرف یہ کرتا ہے کہ طلاق خفیہ دی چار اشخاص کے سامنے نہ دی، لہذا اپنی جہالت سے طلاق نہ ہونا سمجھتا ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا دعویٰ باطل ہے، طلاق بالکل تنہائی میں دے جب بھی ہو جاتی ہے۔ ❸

اورحالتِ حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی لئے قرآن کریم نے حمل والی کی عدّت وضع حمل بیان فرمائی ہے۔

---

❶ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ، کتاب الطلاق، ۱/ ۳۸

❷ البقرۃ: ۲/ ۲۳۰

❸ فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، ۱۲/ ۳۶۶

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ 1

ترجمہ، اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں۔ (کنز الایمان)

اور امام ابو الحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں: طلاقُ الحامل يجوز۔ 2

یعنی، حمل والی کو طلاق نافذ ہو جاتی ہے۔

اور مفتی محمد نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ لکھتے ہیں: بلاشک وشبہ و گنجائش ریب یقیناً حاملہ عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے، تمام کُتبِ فقہ میں یہی ہے، چاروں اماموں کا مذہب ہے کہ حاملہ پر طلاق واقع ہو جاتی ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں، اگر جائز نہ ہوتی تو قرآن کریم نے یہ کیوں بتایا کہ حمل والی کی عدّت وضع حمل ہے۔ 3

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

يوم الجمعة، ١١/ شعبان، ١٤٢٨ھ، ٢٤/ أغسطس ٢٠٠٧م

449-F

طلاق رجعی کے بعد تین ماہ سے زائد عرصہ گزرنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی اور کھلے الفاظ میں کہا کہ میں نے تجھے ایک طلاق دی ہے اور اس کا گواہ اپنی ساس اور اپنے سارو (سالی کے شوہر) کو بنایا اور کہا کہ اس کی عدت پوری کرواؤ میں نے اسے ایک طلاق دے دی ہے۔ اس

---

1 الطلاق: ٦٥/ ٤

2 مختصر القدوری، کتاب الطلاق، ص ١٥٤

3 فتاویٰ نوریہ، کتاب الطلاق، باب طلاق الحوامل، ۳/۱۴۹

کے بعد تقریباً تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟
اور پھر اگر وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟
اب وہ مرد یہ کہتا ہے کہ میں نے صرف اسے ڈرانے کے لئے ایسا کہا تھا، اب اس کا کیا حکم ہے؟ (سائل: محمد غلام قادر ترابی، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل شوہر کے ان الفاظ "میں نے تجھے ایک طلاق دی ہے" سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے۔

چنانچہ امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں اوراُن سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: الطّلاقُ الصّریحُ وھوَ کأنتِ طالقٌ ومطلّقةٌ وطلّقتكِ وتقعُ واحدةٌ رجعیةٌ وإن نوَی الأکثرَ أو الإبانةَ أو لَم ینوِ شیئًا۔ (1)

یعنی، طلاقِ صریح اس طرح ہے جیسے کہا تو طلاق والی ہے یا مطلقہ ہے یا میں نے تجھے طلاق دی تو ایک طلاقِ رجعی واقع ہو گی اگرچہ اُس نے ایک سے زیادہ کی نیت کی ہو یا طلاقِ بائن کی نیت کی ہو یا کچھ نیت نہ کی ہو۔

پھر اگر عدّت باقی ہے یعنی طلاق کے بعد سے تین کامل ماہواریاں نہیں گزریں تو شوہر رُجوع کا حق رکھتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

---

(1) كنز الدقائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق الصريح، ص ٢٧٠، الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في ايقاع الطلاق، الفصل الأوّل في الطلاق الصريح، ٣٥٤/١

تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ ❶

ترجمہ، یہ طلاق (یعنی طلاقِ رجعی) دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے (رجعت کرکے) یا نکوئی (اچھے سلوک) کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ (کنزالایمان)

یعنی، اس طرح کہ رجعت نہ کرے اور عدّت گزر کر عورت بائنہ ہو جائے۔ ❷

اور اگر عدّت گزر چکی ہے تو شوہر کو رُجوع کا حق ختم ہو گیا اور عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کرے اُس پر کوئی جبر نہیں ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔ ❸

ترجمہ، اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہو جائے (یعنی ان کی عدّت گزر چکے) تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں۔ (کنزالایمان)

یعنی جن کو انہوں نے اپنے نکاح کے لئے تجویز کیا ہو خواہ وہ نئے ہوں یا یہی طلاق دینے والے یا ان سے پہلے جو طلاق دے چکے تھے۔ ❹

اگر اُسی کے ساتھ دوبارہ رہنا چاہتی ہے تو نیا مہر مقرر کرکے دوبارہ نکاح کرنا ہو گا اور آئندہ اُسے صرف دو طلاق کا حق باقی رہے گا جب بھی دو طلاقیں دے گا تو ایک سابقہ کے ساتھ مل کر تین ہو جائیں گی اور بیوی اُس پر حُرمتِ مُغلّظہ

---

❶ البقرۃ: ۲/ ۲۲۹

❷ خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ، ۲/ ۲۲۹، ص ۶۵

❸ البقرۃ: ۲/ ۲۳۲

❹ خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ، ۲/ ۲۳۲، ص ۶۷

کے ساتھ حرام ہو جائے گی اور بے حلالہ اُس سے نکاح نہیں ہو سکے گا۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ۔ 1

ترجمہ، پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت کے تحت صدرالافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحُرمت مغلّظہ حرام ہو جاتی ہے اب نہ اس سے رُجوع ہو سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب تک کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدّت گزرے۔ 2

اور ڈرانے دھمکانے کی نیت سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام اہلسنّت امام احمد رضاخان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: طلاق جب دی جائے واقع ہو جائے گی خواہ دھمکی مقصود ہو یا کچھ اور صریح لفظ محتاجِ نیت نہیں ہوتے اُن سے نیّت کرے یا نہ کرے طلاق ہو جاتی ہے، اگر وہ تین طلاقیں دینے یا لکھنے کا مُقِر ہے اور عُذر یہ بیان کرتا ہے کہ دھمکی مقصود تھی طلاق کی نیّت نہ تھی تو بلاشک تین طلاقیں ہو گئیں۔ 3

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء، ۲۶/ صفر المظفر، ۱۴۳۲ھ-۳۱/ ینایر، ۲۰۱۱م

714-F

---

1 البقرۃ: ۲/ ۲۳۰

2 خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ، ۲/ ۲۳۰، ص ۶۶

3 فتاوی رضویہ، کتاب الطلاق، ۱۲/ ۳۹۵

بیوی کی نسبت تین بار طلاق دیتاہوں کہنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو فون پر کہا کہ میں تیری ماں کو طلاق دیتاہوں، طلاق دیتاہوں، طلاق دیتاہوں۔ اس بات کو اس شخص کی بیوی، بہو اور نواسی نے بھی سنا، کیا طلاق واقع ہو گئی؟ حکم شرع کیا ہے، تحریر فرمائیں۔

(سائل: محمد حنیف، مہاجر کیمپ نمبر ۳، بلدیہ ٹاؤن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ تین بار کہنے سے شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں کیونکہ حال کے صیغے سے طلاق ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نقل کرتے ہیں: صیغةُ المضارعِ لا یقعُ بها الطّلاقُ إلّا إذا غلبَ فی الحالِ۔ (1)

یعنی، مضارع کے صیغے سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر جب حال میں غالب ہو۔

اوراب حلالہ شرعیہ کے بغیر ان دونوں کا نکاح ہر گز نہیں ہو سکتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ۔ (2)

ترجمہ، پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

والله تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الأربعاء، ۲۴/ شعبان المعظم، ۱۴۳۲ھ-۲۷/ یولیو، ۲۰۱۱م

---

(1) (العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة، کتاب الطلاق، ۱/ ۳۸)
(2) (البقرة: ۲/ ۲۳۰)

761-F

ایک سے زائد بچہ جننے والی کی عدّت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت ایک سے زائد بچے جنے تو اُس کی عدّت کب پوری ہوگی؟

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں عدّت آخری بچہ جننے پر پوری ہوگی۔

چنانچہ علامہ ابو بکر بن علی حدادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: فإن وَلدتْ ولدَينِ أو ثَلاثةً انقضتِ العدّةُ بالأخير۔ (1)

یعنی، اگر عورت دو یا تین بچے جنے تو آخری بچے کی پیدائش سے عدّت ختم ہوگی۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: اگر دو یا تین بچے ایک حمل سے ہوئے تو پچھلے کے پیدا ہونے سے عدّت پوری ہوگی۔ (2)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

حاملہ عورت کی عدّت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت کی عدّت کا کیا حکم ہے؟ (سائل: محمد زاہد، طارق روڈ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں حاملہ عورت کی عدّت وضع حمل (بچہ جننا) ہے خواہ طلاق کی عدّت ہو یا وفات کی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (3)

ترجمہ، اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں۔ (کنزالایمان)

---

(1) الجوهرة النيرة، كتاب العدة، تحت قوله: وإن كانت حاملاً فعدّتها إلخ، ٢/ ٢٤٣

(2) بہارِ شریعت، عدّت کا بیان، ٢/ ٢٣٨

(3) الطلاق: ٦٥/ ٤

اورامام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ اور علامہ ابو بکر بن علی حدادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں:(وإنْ كانتْ حاملًا فعِدّتها أنْ تضعَ حَملها) سَواءٌ كانَ ذلكَ منْ طَلاقٍ أو وَفاةٍ-❶

یعنی، اگر عورت حاملہ ہو تو اُس کی عدّت وضع حمل ہے خواہ وہ عدّت طلاق کی ہو یا وفات کی۔

اور مندرجہ بالا آیت کے تحت صدرالافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: حاملہ عورتوں کی عدّت وضعِ حمل ہے خواہ وہ عدّت طلاق کی ہو یا وفات کی۔ (خزائن العرفان)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱۴/ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ، ۱۰ جنوری ۲۰۰۱م

JIA-028

عدّت میں پردہ

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ دورانِ عدّت کن سے پردہ فرض ہے اور کن سے پردہ فرض نہیں ہے؟

(سائل: عبدالرؤوف، اورنگی ٹاؤن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں قبل عدّت جن سے پردہ کرنا فرض ہے، عدّت کے دوران بھی ان سے پردہ کرنا فرض ہے اور جن لوگوں سے عدّت سے پہلے پردہ کرنا فرض نہیں ہے ان سے عدّت میں بھی پردہ کرنا فرض نہیں کہ عدّت اور غیر عدّت میں پردے کے احکام میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقارالدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ نے اپنے فتاویٰ

---

❶ مختصر القدروی وشرحہ الجوھرۃ النیرۃ، کتاب العدۃ، ۲/ ۲۴۳

میں لکھا ہے۔[1]

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الجمعۃ، ۲۰/ شعبان المعظم، ۱۴۲۴ھ-۱۷/ اکتوبر، ۲۰۰۳م

JIA-541

بیمہ پالیسی کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیمہ شرعاً جائز ہے یا نہیں جب کہ بیمہ کی کئی اقسام ہیں اور انشورنس کمپنی والے ایک کتابچہ بھی دیتے ہیں جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ بیمہ جائز ہے اور کچھ علماء کے فتاویٰ بھی اس میں درج ہیں، وہ کتابچہ سوال کے ساتھ منسلک ہے، اسی طرح کچھ چھپے ہوئے اُصول وضوابط بھی سوال کے ساتھ منسلک ہیں۔ (سائل: از محمود آباد، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن آف پاکستان کی طرف سے شائع کردہ کتابچہ "بیمہ کی اسلامی حیثیت" جو سوال کے ساتھ اِرسال کیا گیا اس میں جوازِ بیمہ پر ذِکر کردہ آیات و احادیث سے ہر گز ہر گز جواز ثابت نہیں ہوتا اور اس کتابچے میں فتویٰ کے عنوان کے تحت جن لوگوں کی آراء تحریر کی گئیں اُن آراء کا شریعت مطہرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن لوگوں نے بیمہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ بیمہ کی حقیقت کو ہی نہیں سمجھتے، اسلام نے بچت کی تعلیم ضرور دی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان اپنی آمدنی کا کچھ حصہ مستقبل کے لئے بچا کر رکھے مگر بیمہ کو بچت قرار دینا غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت قائم شدہ یہ شعبہ تجارتی کاوربار کے

---

[1] وقار الفتاویٰ، کتاب الطلاق، عدّت کا بیان، ۳/ ۲۱۲

بجائے مالیاتی توسط کا کام کرتا ہے یعنی وہ لوگوں کی بچتیں سود کے آلہ سے اپنے ہاں جمع کرتا ہے اور انہیں دوسرے لوگوں کو فراہم کر کے اس پر سود کماتا ہے جس کا کچھ حصہ اُن لوگوں کو بھی دیتا ہے جو اپنا بچا ہوا روپیہ بیمہ کمپنی کو دیتے ہیں اور اسے تجارت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس میں پائی جانے والی خرابیوں کے سبب علمائے حقّہ نے حرام وناجائز قرر دیا ہے۔

اسلام کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی کا مالی نقصان کرے وہ بقدر نقصان تاوان دے گا۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ۔ (1)

ترجمہ: توجو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔
(کنزالایمان)

اس لئے چوری، ڈکیتی، اور آگ لگنے وغیرہ کا بیمہ ناجائز ہونے کی وُجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب مال کا نقصان بیمہ کمپنی نے نہیں کیا تو وہ تاوان بھلا کیوں دے اور پھر زندگی کا بیمہ اور ہر قسم کے بیمہ میں جُوا کا عنصر موجود ہے کہ نہ جانے زندگی کے بیمہ کی کتنی اقساط ادا کرے اور موت آجائے اور جتنی رقم کا بیمہ تھا وہ پوری کی پوری ورثاء کو مل جائے اور اگر زندہ رہ گیا تو وہی دی ہوئی رقم مع سود کے واپس مل جائے گی، غرض یہ ہے کہ بیمہ مُحرّمات کا مجموعہ ہے، اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین نفی قادری متوفی ۱۴۱۳ھ نے اپنے متعدّد فتاویٰ میں اسے حرام لکھا ہے۔ چنانچہ "وقار الفتاویٰ" میں بیمہ کے بارے میں دیئے گئے فتاوی میں سے چند

---

(1) البقرة: ٢/ ١٩٤

مندرجہ ذیل ہیں:

الاستفتاء: بیمہ زندگی کا منصوبہ، جس حالت میں مُعیّنہ مدّت کے اندر تین ادائیگیاں کرنی پڑتی ہیں اور ادا کردہ رقم زیادہ واپس کی جاتی ہے، اس معاہدے پر کہ حالتِ حادثہ میں بیمہ شُدہ شخص کو حادثے کی نوعیت کے مطابق مدد کی جائے گی اور نقد معاوضہ دیا جائے گا، جب کہ بصورتِ نقصانِ زندگی بیمہ دہندہ کے ہدایت کردہ لواحقین کو رقم دی جائے گی تاکہ وہ اپنے گزر اوقات کر سکیں۔ مزید بر آں اُصول امدادِ باہمی کے تحت بیمہ شُدہ شخص کو دس فیصد سالانہ منافع کے ساتھ ادائیگی کی شرط پر قرضہ کی سہولت بھی حاصل ہے۔

جائیداد و املاک وغیرہ میں ایک شخص اپنی املاک و جائیداد کو مختلف خطرات سے ہونے والے نقصانات سے بچانے کا بیمہ کرواتا ہے جس کے لئے وہ کمپنی کو کچھ معاوضہ دے کر سال بھر کے لئے اپنی املاک و جائیداد کا بیمہ کروالیتا ہے، ایک سال گزرنے پر اس کی ادا کی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی، ہاں اگر اس اثناء میں بیمہ شُدہ املاک کو کوئی گزند پہنچے یا نقصان سے دوچار ہوں تو بقدر رقم کی صورت میں اس کا اِزالہ کر دیا جاتا ہے، کیا یہ سب کام کرنے والے ادارے، ان کے ایجنٹ اور ملازمین جائز طور پر پیسہ کماتے ہیں یا حرام طور پر؟

الجواب: ہر قسم کا بیمہ ناجائز ہے، اسلام کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی کا مال نقصان کرے گا وہی ضامن ہو گا اور بقدر نقصان تاوان دے گا، قرآنِ کریم میں ہے: **فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ۔** (1)

ترجمہ: یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی

(1) البقرة: ٢/ ١٩٤

اس نے تم پر کی ہو۔

لہٰذا چوری، ڈکیتی، آگ لگنے اور ڈوبنے وغیرہ کا بیمہ ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب مال کا نقصان انشورنس کمپنی نے نہیں کیا تو وہ تاوان کیوں دے گی؟ پھر زندگی کے اور دیگر ہر قسم کے بیمے میں جوا بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے بیمے کی کتنی قسطیں ادا کرے گا کہ کہ موت آجائے گی اور وہ پوری رقم (جتنے کا بیمہ تھا) اس کے وارثوں کو مل جائے گی، اور اگر زندہ رہ گیا تو دی ہوئی رقم مع سود کے واپس مل جائے گی۔ غرض یہ کہ بیمہ، مُحرّمات کا مجموعہ ہے، اب یہ کہا جارہا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے لوگوں سے جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جن کا نقصان ہوتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو جتنا روپیہ وصول کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی اجازت سے جن سے لیا گیا ہے، اگر نقصان زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے تو پھر انشورنس کمپنیاں کروڑوں روپے سالانہ کہاں سے کماتی ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ عُذر صرف لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے گھڑے گئے ہیں۔ [1]

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ از روئے اسلام بیمہ زندگی جائز ہے یا نہیں؟ اگر بیمہ زندگی خریدا جائے تو کیا اس میں مضائقہ ہے؟

الجواب: بیمہ ناجائز ہے۔ زندگی کے بیمے میں کمپنی بیمہ کروانے والے کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد جو ادائیگی کرے گی اس میں سے جتنا اس شخص نے ادا کیا تھا، محض اسی قدر روپیہ کمپنی سے لینا جائز ہے اور جس قدر کمپنی نے زائد دیا وہ سود ہے، اس کا لینا جائز نہیں اور اگر لے لیا تو یہ اصل سے زائد رقم کسی غریب کو

---

[1] وقار الفتاوی، حرام کا بیان، ۱/۲۳۹_۲۴۰

بغیر نیتِ ثواب دے دینا واجب ہے۔ ❶

الاستفتاء: بیمہ زندگی کروانا اور بیمہ پالیسی پر جو منافع متعلقہ کمپنیاں دیتی ہیں، لینا اور وفات کے بعد جو پیسہ بیمہ پالیسی کے ضمن میں اہلِ خانہ کو ملتا ہے، اس کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟ فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب: بیمہ ناجائز ہے۔ زندگی کے بیمے کے متعلق کمپنی بیمہ شُدہ شخص کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد جو ادائیگی کرے گی اس میں سے جس قدر اس شخص نے ادا کیا تھا اتنا ہی روپیہ کمپنی سے لینا جائز ہے اور جو زیادہ لیا وہ سود ہے، اس کا لینا جائز نہیں، اگر لے لیا ہے تو اس کو بلا ارادہ صدقہ و ثواب کسی مستحق شخص کے حوالے کر دینا واجب ہے۔ بیمہ زندگی کے علاوہ کسی قسم کے بیمے میں کوئی کلیم نہیں لیا جاسکتا۔ ❷

الاستفتاء: بخدمت جناب مفتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ازراہ کرم زندگی کے بیمہ کے متعلق شرعی فتویٰ صادر فرمائیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ نیت کی جائے کہ ہم اپنی اولاد، بیوی، والدین وغیرہ کے لئے ایک جبری بچت کرتے ہیں تاکہ اچانک حادثہ یا موت کی صورت میں ورثاء کے لئے ایک سہارا میسر آجائے۔ برائے کرم تفصیل سے مطّلع فرمائیں۔

الجواب: شریعت کا قاعدہ ہے کہ: المالُ بالمالِ۔

یعنی، مال کے بدلے مال لیا جاسکتا ہے۔

یعنی: کسی کا مال ضائع ہو جائے تو ضائع کرنے والے سے اس کا تاوان لیا

---

❶ وقار الفتاوی، حرام کا بیان، ۱/۲۴۰

❷ وقار الفتاوی، حرام کا بیان، ۱/۲۴۱

جائے گا، بیمہ کی حقیقت یہ ہے: مثلاً کسی نے بیس سال کے لئے بیمہ کروایا اور ہزار روپیہ سالانہ اس کی قسطیں ادا کرنا طے پائیں، اگر یہ شخص بیس سال تک زندہ رہا تو اس کو بیس ہزار روپے یکمشت مل جائیں گے اور اس بیس ہزار روپے کا متذکرہ مدت کا سود بھی اس کو ملے گا اور اگر بیس سال سے پہلے مر گیا تو بھی اس کے مُعیّنہ وارثوں کو بیس ہزار روپے مل جائیں گے۔ یہ دونوں صورتیں حرام ہیں، پہلی صورت میں سود لیا جو حرام ہے، دوسری صورت میں اس نے ادا تو کئے تھے دو چار ہزار روپے اور اس کے وارثوں کو ملیں گے بیس ہزار روپے۔ اس نے جتنے ادا کئے تھے وہ اس کا حق تھا اور جتنے زیادہ لئے وہ دوسروں کا مال، باطل طریقے سے لیا جو حرام ہے۔ جن لوگوں نے جواز کے فتوے دیئے ہیں وہ بیمہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے، اسلام بچت کی تعلیم ضرور دیتا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان اپنی آمدنی کا کچھ حصہ مستقبل کے لئے بچا کر رکھے، مگر بیمہ کو بچت قرار دینا محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے، بیمہ جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ (1)

الاستفتاء: ایک دوست بیمہ ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں، انہوں نے انشورنس پالیسی میرے لئے خرید لی، میں اس کاروبار کو سودی تصور کرتا ہوں لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ کاروبار بغیر سود کے بھی ہو سکتا ہے اور اس کی تفصیل وہ یہ بتاتے ہیں: سودی پالیسی کا طریقہ کار یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پچاس ہزار کی پالیسی لیتا ہے تو اس کو بیس سال کے بعد ایک لاکھ سات ہزار روپے ملیں گے اور اگر وہ شخص خدانخواستہ فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء کو پچاس ہزار روپے کی پالیسی اور جتنا اس نے بیمہ ادا کیا ہے اس کا منافع ملے گا۔ جب کہ غیر سودی پالیسی کا طریقہ یہ ہے کہ اگر

---

(1) وقار الفتاوی، حرام کا بیان، ۱/ ۲۴۱۔۲۴۲

پچاس ہزار کی پالیسی ہے تو متعلقہ شخص کو بیس سال بعد پچاس ہزار روپے جو اس نے ادا کئے صرف وہی ملیں گے۔ لہٰذا جواب طلب امر یہ ہے کہ میں اپنے بچوں کے لئے غیر سودی پالیسی خرید سکتا ہوں یا نہیں؟ جب کہ میرا اپنا اس میں کوئی لالچ نہیں ہے، بلکہ یہ بیمہ بھی ادا کرنا ہے، یا یوں کہہ لیں کہ میں ان کے کاروبار میں معاونت کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: قرآن کریم کے واضح حکم کے مطابق سود مطلقاً حرام ہے: **وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔❶**

ترجمہ: حالانکہ حلال فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجارت اور حرام کیا سود کو۔

لہٰذا انشورنس کا طریقہ کار سودی ہے تو ظاہر ہے کہ حرام ہے۔

دوسرا طریقہ کار جسے آپ نے غیر سودی لکھا ہے دراصل آپ نے اس کی تشریح غلط کی ہے، اگر پچاس ہزار روپے کی پالیسی پر مدت پالیسی گزرنے کے بعد بھی اتنا ہی روپیہ کمپنی دیتی ہے جتنا روپیہ بیمہ کروانے والے نے جمع کیا تھا تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنا روپیہ انشورنس کمپنی کو کس لئے دیا گا جب کہ کوئی فائدہ بھی نہ ہو، آپ نے جو حصہ چھوڑ دیا ہے وہ یہ کہ مدت پوری ہونے سے پہلے بیمہ کروانے والے کی موت واقع ہو جائے جب بھی کمپنی پچاس ہزار روپے دے گی، اور یہ جُوا ہے لہٰذا پالیسی متذکرہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔

حرام کام کا ارتکاب کرنا بھی جُرم ہے اور اس سلسلے میں کسی کی مدد و معاونت بھی قرآنی تعلیمات کے سراسر منافی ہے: **وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ**

---

❶ البقرہ: ۲/ ۲۷۵

الْعُدْوَانِ۔ ❶

ترجمہ: اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ پر اس معاونت سے کنارہ کشی اور اجتناب لازم ہے۔ ❷

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۱/ جمادی الثانی، ۱٤۲۹ھ - ٥/ ایونیو، ۲۰۰۸م

JIA-900

سیونگ سرٹیفکیٹ پر ملنے والا نفع

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے پاس کسی نے کچھ رقم امانت کے طور پر رکھی میں نے اُس رقم سے سیونگ سرٹیفکیٹ خرید لئے اب میں نے وہ سرٹیفکیٹ ختم کر دیئے ہیں لہٰذا پوچھنا یہ ہے کہ میں اُس شخص کو اُس کی اصل رقم لوٹاؤں یا اس پر ملنے والا سود بھی دے دوں۔ نیز کیا وہ سود کی رقم اُس کو بتائے بغیر کسی مستحق زکوۃ کو دے دوں؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ (سائل: انور حسین قادری رضوی عطاری، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں مالک کو اصل رقم لوٹائی جائے اور اُس پر ملنے والا سود کسی بھی غریب مستحق زکوۃ کو بغیر ثواب کی نیّت کے دے دیں اور اس کے لئے مالک کو بتانا ضروری نہیں۔ چنانچہ امام اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳٤۰ھ لکھتے ہیں: جو مال رشوت یا تغنّی یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا اُن پر واپس کر دے، وہ نہ رہے ہوں اُن

❶ المائدۃ: ٥/ ۲

❷ وقار الفتاوی، حرام کا بیان، ۱/ ۲۴۲-۲۴۳

کے ورثہ کو دے، پتانہ چلے تو فقیروں پر تصدّق کرے، خرید و فروخت کسی کام میں اُس مال کا لگانا حرام قطعی ہے، بغیر صورتِ مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سُبکدوشی کا نہیں۔ یہی حکم سود وغیرہ عقودِ فاسدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے خواہ ابتداء تصدّق کردے، وذٰلکَ لأنّ الحُرمة فِی الرّشوة وأمثالِها لعَدمِ الملکِ أصلاً فهُو عنده کالمغصوبِ فیَجبُ الرّدّ علَی المالکِ أو ورثتِه ما أمکن إمّا فِی الرّبٰو أواشباهِه فلفسادِ الملکِ وخبثِه و إذا قَد ملکَه بالقَبضِ ملکاً خبیثاً لمْ یبقَ مملوک الماخوذِ مِنه لاستحالةِ اجتماعِ ملکَینِ عَلی شیئٍ واحدٍ فلَم یجبِ الرّدّ وإنّما وجبَ الانخلاعُ عَنه إمّا بالرّدّ وإمّا بالتّصدّقِ کما هُو سَبیل سائرِ الأملاکِ الخَبیثة-یہ اس لئے کہ رشوت اور اس جیسے مال میں ملکیت بالکل نہ ہونے کی وجہ سے حُرمت ہے لہٰذا وہ مال رشوت لینے والے کے پاس غصب شُدہ مال کی طرح ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جس حد تک ممکن ہو وہ مال اس کے مالک یا اس کے ورثاء کو لوٹا دیا جائے پس ایسا کرنا واجب ہے، سود یا اس جیسی اشیاء میں فسادِ ملک اور خباثت کی بناء پر بوجہ قبضہ اس کا مالک بن گیا تو جس سے مال لیا گیا اب اس کی ملکیت باقی نہ رہی (بلکہ ختم ہوگئی) اس لئے کہ ایک چیز پر بیک وقت دو ملک جمع ہونے محال ہیں (کہ اصل شخص بھی مالک ہو اور سود خور بھی) لہٰذا مال ماخوذ کا واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے علیحدگی واجب ہے خواہ بصورتِ ردّ (یعنی لوٹانے کے) ہو یا بصورتِ خیرات، جیسا کہ تمام املاکِ خبیثہ میں یہی طریقہ ہے۔ (1)

اور سیونگ سرٹیفکیٹ اسکیم کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان مفتی

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، کسب وحصولِ مال، ۲۳/ ۵۵۱۔۵۵۲

محمد وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: اس اسکیم میں روپیہ لگانا حرام ہے، کیونکہ یہ بھی سود کی قسم ہے۔ ❶

اور شخص مذکور امانت کے طور پر رکھی گئی رقم میں تصرّف کر کے ناجائز اَمر کا مرتکب ہوا ہے جس کے سبب اس پر توبہ واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۱۶/ ذو القعدۃ الحرام، ۱۴۲۲ھ-۳۱/ جنوری، ۲۰۰۲م

JIA-201

زیادہ مال کی خریداری پر کمیشن دینا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل کاروباری کمپنیاں زیادہ مال خریدنے پر کمیشن ایجنٹ کو زیادہ کمیشن دیتی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ (سائل: نعیم احمد شیخ قادری، شہداد پور، سانگھڑ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: کاروباری کمپنی اپنے مال کی فروخت بڑھانے کے لئے کمیشن ایجنٹ کو زیادہ کمیشن دیتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں کوئی اور شرعی خرابی نہ ہو۔

چنانچہ شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۹۰ھ لکھتے ہیں: والسّمسارُ اسمٌ لمن یعملُ للغیرِ بالأجر بیعاً وشراءً ❷

یعنی، دلال (کمیشن ایجنٹ) اس شخص کا نام ہے جو دوسرے کے لئے اُجرت کے عوض خرید و فروخت کا کام کرے۔

---

❶ وقار الفتاویٰ، کتاب البیوع، سود کا بیان، ۳/ ۳۰۲

❷ المبسوط للسرخسی، کتاب الإجارات، باب السمسار، ۱۵/ ۱۲۸ مطبوعۃ: مکتبہ رشیدیہ

اسی طرح علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ کمیشن کے بارے میں فرماتے ہیں: وَأَمَّا أُجْرَةُ السِّمْسَارِ وَالدَّلَّالِ فَقَالَ الشَّارِحُ الزَّيْلَعِيُّ: إِنْ كَانَتْ مَشْرُوطَةً فِي الْعَقْدِ تُضَمُّ ❶

یعنی، کمیشن ایجنٹ اور دلال کی اجرت کے بارے میں شارح علامہ زیلعی نے فرمایا کہ اگر بوقتِ عقد مشروط ہو تو شامل لاگت ہوگی۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء،۹/ ذو القعدة،۱٤۲٦ھ-۱۳/ دسمبر،۲۰۰۵م

JIA-725

شوہر اور بیوی کی آمدنی میں فرق نہ ہونا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرحوم کے انتقال کے وقت کچھ رقم گھر میں تھی جس میں کچھ رقم بیوہ کی اپنی سلائی کڑھائی اور بھائیوں سے تحفتاً ملی ہوئی تھی اور کچھ رقم مرحوم کی تنخواہ میں ماہانہ خرچ کے بعد بچت کی تھی۔ اب وہ رقم ایسی ہے جس میں یہ معلوم نہیں کہ کس کی کتنی ہے تو وہ رقم عورت کی ہوگی یا ترکہ شمار کی جائے گی؟

(سائل: محمد یوسف علی محمد، وی آئی پی پیلس، نیا آباد، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں آدھی رقم عورت کے لئے ہوگی اور آدھی مرحوم کے ترکہ میں شمار ہوگی۔ چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: اجْتمعَا فِي دارٍ وَاحدةٍ وَاكتسبَا ولَا يُعلَم التَّفاوتُ فهوَ بَينهُما بِالسّويّة تنبيهٌ: يؤخذُ مِن هذَا مَا أفتىٰ بِه فِي الخَيرِيّة

---

❶ ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع،باب المرابحة والتولیة ، تحت قوله :اجرة السمسار ،۷/ ۳٦٥ مطبوعة: دارإحیاء التراث العربي ،بیروت

فِي زَوجِ امْرأةٍ وابْنِهَا اجتمعَا فِي دارٍ وَاحدةٍ وأخذَ كُلّ مِنهُما يَكتسبُ عَلى حِدةٍ ويَجمعانِ كَسبهُما وَلَا يُعلَم التّفاوتُ وَلَا التّساوِي وَلَا التّمييزُ. فأجابَ بأنّهُ بيْنهمَا سَوِيّةٌ-❶

یعنی،ایک گھر میں دو شخص جمع ہوئے دونوں نے کمایااور دونوں کی آمدنی میں فرق معلوم نہیں تو آمدنی دونوں کے درمیان برابر ہوگی یہ حکم اس سے لیاگیا ہے جو"الخیریہ"❷ میں ہے:عورت کے شوہر اوراُس کے بیٹے کے بارے میں فتویٰ دیاہے کہ دونوں ایک گھر میں جمع ہوئےاوراُن میں سے ہر ایک علیحدہ کمانے لگا اور دونوں اپنی کمائی ایک جگہ اس طرح جمع کرتے رہے کہ دونوں کی کمائی میں فرق یابرابری یاکسی قسم کاامتیاز معلوم نہ ہوتوجواب دیاکہ یہ مال اُن دونوں میں برابر ہو گا۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء،١٦/ صفر المظفر،١٤٢٣ھ-٣٠/ ابریل،٢٠٠٢م

JIA-259

مسجد پر وقف مکان کو بیچنا

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنامکان اپنے مرنے سے پہلے مسجد کے نام وقف کردیا،اس طرح وہ مکان مسجد کمیٹی کے قبضے میں آگیا،اب جبکہ میں نے اس مکان کومسجد کمیٹی سے خریدنے کے لئے باون ہزارروپے بطورِبیعانہ جمع کروائے،مگربعد میں کچھ وجوہات کی وجہ سے سودا ختم ہوگیا۔تواب مسجد کمیٹی بیعانہ واپس کرنے سے منع کررہی ہے،کیاازروئے شرع یہ بیعانہ واپس نہ کرناجائزہے؟

❶ رد المحتار،کتاب الشرکة،فصل فی الشرکة الفاسدة،٤٩٧/٦

❷ الفتاوی الخیریة علی هامش تنقیح الفتاوی الحامدیة،کتاب الشرکة،مطلب ما حصله الشرکاء فی المال بالاکتساب یکون بینهم بالسویة،١٨٥/١

(سائل: سیّد محمد طاہر نعیمی، موسیٰ لین، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں جاننا چاہیے کہ جو پراپرٹی مسجد کے لئے وقف کی گئی اور واقف نے اُسے مسجد کے لئے ہی وقف کیا تھا تو مسجد انتظامیہ اُس مکان کو بیچ نہیں سکتی۔

چنانچہ علامہ برہان الدین ابو المعالی محمود ابن مازہ بخاری حنفی متوفی ۶۱۶ھ (1) لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت (2) نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: وفي الفتاوى النّسفيّ: سئل عن أهلِ محلّة باعُوا وقفَ المسجدِ لأجلِ عمارةِ المسجدِ قالَ: لَا يجوزُ بأمرِ القاضِي وغيرِه- [واللفظ للأوّل]

یعنی، اور "الفتاوی النسفی" (3) میں ہے: اہلِ محلّہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جنہوں نے تعمیرِ مسجد کے لئے وقفِ مسجد کو بیچ دیا، فرمایا کہ قاضی اور غیر قاضی کے حکم سے بھی بیچنا جائز نہیں ہے۔

اور علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: (ولَا يُملَكُ الوقفُ) بإجماعِ الفقهاءِ كمَا نقلَه فِي فتحِ القديرِ ولقولِه عليهِ السّلامُ لعمرَ رضيَ الله عنهُ «تَصدّقْ بأصْلِهَا لَا تُبَاعُ وَلَا تُوْرَثُ» ولأنّه باللّزومِ خرجَ عنْ ملكِ الواقفِ وبلَا ملكٍ لَا يتمكّن منَ البيعِ- (4)

یعنی، فقہائے کرام کے نزدیک بالاجماع وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا ہے جیسا کہ

(1) الذخيرة البرهانية، كتاب الوقف، الفصل العشرون فى المساجد وما يتصل بها، نوع آخر فى تصرف أهل المسجد، ۹/ ۷۲

(2) الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد إلخ، الفصل الثانى فى الوقف وتصرف القيم إلخ، ۲/ ۴۶۳-۴۶۴

(3) الفتاوى النسفى، مسائل المسجد والأوقاف وما أشبه ذلك، ق۱۵/ الف

(4) البحر الرائق، كتاب الوقف، ۵/ ۳۴۲

"فتح القدیر" ❶ میں مذکور ہے اوراس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس زمین کی اصل صدقہ کردو تاکہ یہ نہ فروخت ہوسکے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوسکے کیونکہ وقف لازم ہونے سے وہ واقف کی ملکیت سے نکل گیااور بغیر ملکیت اسے فروخت نہیں کیاجاسکتاہے۔

اورامام اہلسنّت امام احمد رضاخان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: وہ (چیز) کہ واقف نے مسجد پر وقف کیاہے اسے کوئی نہیں بیچ سکتا، نہ متولی، نہ اہلِ محلہ، نہ حاکم، نہ کوئی۔ ❷

اور صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: وقف کو نہ باطل کرسکتاہے نہ اس میں میراث جاری ہوگی نہ اسکی بیع ہوسکتی ہے نہ ہبہ ہوسکتا ہے۔ ❸

اور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی حنفی متوفی ۱۴۳۴ھ لکھتے ہیں: مسجد سے متصل مسجد کی زمین کامطلب اگر یہ کہ وہ زمین مسجد پر ہی وقف تھی تو اس کا بیچنا خرید نا سب ناجائز وحرام ہوا، خریدار پر لازم ہے کہ فوراً وہ زمین مسجد کو واپس کرے، عام فقہ کی کتابوں میں ہے "الوقفُ لا یملک ولا یُباع ولا یُورث"۔ ❹

اور پھر اگر بیچنا جائز بھی ہوتا تب بھی بیعانہ ضبط کرنا شرعاً حرام ہے، جائز نہیں ہے۔

چنانچہ امام اہلسنّت لکھتے ہیں: بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کرلینا

---

❶ فتح القدیر، کتاب الوقف، تحت قولہ: لم یجز بیعه ولا تملیکه، ۵/ ۴۳۳

❷ فتاوی رضویہ، کتاب الوقف، باب المسجد، ۱۶/ ۴۲۸

❸ بہار شریعت، وقف کا بیان، ۲/ ۱۰/ ۵۲۳

❹ فتاویٰ بحر العلوم، کتاب الوقف، ۵/ ۱۲۰

جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے، قال اللہ تعالیٰ: لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ 1 اللہ تعالی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ 2

اور ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقارالدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: اگر خریدار قیمت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو بیع کو فسخ کر دیا جائے گا۔ اور بیانہ کی رقم واپس کر دی جائے گی۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ: المالُ بالمالِ یعنی، کسی کا مالی نقصان ہو جائے تو وہ اس کے بدلے میں مال لے سکتا ہے۔

یہاں خریدار نے کوئی مالی نقصان نہیں کیا۔ لہٰذا اس کا مال ضبط کرنا ناجائز ہے۔ 3

اور مفتی جلال الدین امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: جبکہ بیچنے والے نے خریدار کے انکار کو مان لیا اور بیع کا فسخ منظور کر لیا تو بیعانہ کی رقم واپس کرنا اس پر لازم ہے، اگر نہیں واپس کرے گا تو سخت گنہگار حق العبد میں گرفتار ہو گا۔ 4

لہٰذا مسجد انتظامیہ پر لازم ہے کہ وہ لی گئی رقم خریدار کو واپس کریں کہ اس کو ضبط کرنا حرام ہے اور حرام مال مسجد میں صَرف کرنا نہایت قبیح ہے اور ایسے لوگ مسجد کا انتظام سنبھالنے کے لائق نہیں ہیں، اہلِ محلہ کو چاہیے کہ مسجد کا انتظام خُدا خوفی رکھنے والے، حرام وحلال، جائز و ناجائز کے مابین تمیز کرنے والے دین دار لوگوں

---

1 البقرۃ: ۲/ ۱۸۸

2 فتاویٰ رضویہ، کتاب البیوع، بیع مطلق، ۱۷/ ۹۴

3 وقار الفتاویٰ، تجارت کا بیان، ۳/ ۲۶۲

4 فتاویٰ فیض الرسول، خرید و فروخت کا بیان، ۲/ ۳۷۷

کے سپرد کریں مگر یہ کہ یہ لوگ اپنے اس فعل سے تائب ہوجائیں اور آئندہ مسجد کے معاملات میں خلافِ شرع کام سے بچنے کا عہد کریں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم السبت،١٤/ جمادی الأخری-١٤٣٣ھ،٥/ مایو،٢٠١٢م

789-F

ذبح کے وقت گردن الگ ہونا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے قربانی کا جانور ذبح کیا چھری تیز تھی اور روانی میں اس سے جانور کی پوری گردن دھڑ سے علیحدہ ہوگئی تو کیا یہ قربانی ہوگئی اور یہ جانور حلال ہوگیا یا مردار ہوا؟

(سائل: قاری طالب حسین، امام جامع مسجد قادری طرطوسی، گلشن قادری، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسؤلہ میں قربانی درست ہوگئی اور جانور بھی حلال ہوگیا مگر ذبح کے وقت جانور کی گردن الگ کرنا مکروہ تنزیہی ہے کہ اس میں جانور کو بلا ضرورت تکلیف دینا ہے۔

چنانچہ جانور کی حِلّت کے بارے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا موقف نقل کرتے ہوئے امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ لکھتے ہیں: قالَ ابْنُ عُمر: وَ ابنُ عبّاسٍ، وأنسٌ: «إذَا قَطَعَ الرَّأْسَ فَلاَ بَأْسَ»۔ [1]

یعنی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جب جانور کا سر کاٹ دیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث شریف کے تحت علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ

[1] صحیح البخاری،کتاب الذبائح والصید والتسمیۃ علی الصید،برقم: ٥٥٠٩ ، ٤٨٠/٣

لکھتے ہیں:أثر ابْن عُمر وَصله أَبُو مُوسَى الزّمن مِن رِوَايَة أَبِي مجاز: سَأَلتُ ابْن عمَر عَن ذَبِيحَة قطعِ رأسهَا؟ فَأمر ابْن عمرَ بأكلهَا وَأثر ابْن عَبّاس وَصله ابْن أَبِي شيبَة بِسَنَد صَحِيح عَن ابْن عَبَّاس سَأَلَ عَن ذبح دجَاجة طَيّر رَأسهَا. فقَالَ: ذَكاة، وَأثر أنَس بْن مَالك وَصله أَبُو بَكر بن أَبِي شيبَة مِن طَرِيق عبيدِ اللهِ بْن أَبِي بَكر بْن أنَس أنّ جزارًا لأنسٍ ذبح دجَاجَة فَاضطربتْ فذبحَها مِن قفاهَا فأطَار رَأسهَا فأرادُوا طرحَها فَأمرهمْ أنسٌ بأكلِها۔ [1]

یعنی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کی ابوموسیٰ نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے،ابومجلز کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ذبیحہ کا سر کاٹ دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟تو آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام ابن شیبہ نے سند موصول کے ساتھ صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ جب ذبح کے وقت مرغی کا سر کاٹ دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے توانہوں نے کہا کہ یہ حلال ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند موصول کے ساتھ حضرت عبیداللہ بن ابی بکر بن انس سے روایت کی ہے کہ حضرت انس کے ایک قصائی نے مرغی کو ذبح کیا،وہ تڑپنے لگی تو اُس نے مرغی کو اُس کی گدی سے ذبح کر دیا۔تو لوگوں نے اُس مرغی کو پھینکنے کا ارادہ کیا،توحضرت انس رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اُس مرغی کو کھانے کا حکم دیا۔

اور مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں:یعنی جانور

[1] عمدة القاری شرح صحیح البخاری،کتاب الذبائح والصید،باب النحر والذبح،۵۱۷/۱۴

حلال ہے اگرچہ یہ فعل ممنوع ہے کیونکہ اس میں جانور کو بلاضرورت ایذا دینا ہے۔ (1)

اسی لئے فقہائے کرام نے لکھا کہ جانور کی گردن الگ کرنے سے ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔

چنانچہ علامہ برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: وَمَن بلغ بالسکّینِ النّخاعَ أو قطعَ الرأسَ کُرِہ لہ ذلك وتُؤکل ذبیحتُہ۔ (2)

یعنی، ذبح کرنے والا حرام مغز تک چھری لے گیا یا مکمل سر ہی کاٹ دیا تو اس کا یہ فعل مکروہ ہے لیکن اُس کا ذبیحہ حلال ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: اس طرح ذبح کرنا کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے یا سر کٹ کر جدا ہو جائے مکروہ ہے مگر وہ ذبیحہ کھایا جائے گا یعنی کراہت اوس فعل میں ہے نہ کہ ذبیحہ میں۔ عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ذبح کرنے میں اگر سر جدا ہو جائے تو اس سر کا کھانا مکروہ ہے یہ کُتُبِ فقہ میں نظر سے نہیں گزرا بلکہ فقہا کا یہ ارشاد کہ ذبیحہ کھایا جائے گا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سر بھی کھایا جائے گا۔ (3)

اور بوقتِ ذبح جانور کی گردن الگ کرنے کی کراہت کے بارے میں علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں: وَ کسرُ العنقِ قبلَ أن یسکنَ مکرُوہ لأنّہ تعذِیب الحیوانِ بلَا منفعَۃ وکذا قَطع رأسِہ قبلَ أن

---

(1) نزھۃ القاری، نحر اور ذبح کا بیان، ۵/ ۳۴۷

(2) بدایۃ المبتدی، کتاب الذبائح، ۲/ ۳٤٥

(3) بہار شریعت، ذبح کا بیان، ۳/۱۵/۳۱۵

يسكنَ-❶

یعنی، اضطراب ختم ہونے سے قبل جانور کی گردن توڑنا یا جانور کا سر کاٹنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جانور کو بے فائدہ تکلیف دینا ہے۔

اور امام ابو الحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں: یُکرہ له أن یکسرَ عنقَها قبل أن تموتَ، وکذلک یکرہُ سلخَها قبل أن تبردَ؛ لما فی ذلک مِن زیادة الألم-❷

یعنی، ذابح کیلئے مکروہ ہے کہ وہ جانور کی گردن اُس کے مرنے سے قبل توڑے یوہیں جانور جب تک ٹھنڈا نہ ہو جائے اُس کی کھال اُتارنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں جانور کو زیادہ تکلیف پہنچانا ہے۔

اور علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ ''مستحباتِ ذبح'' کے بیان میں لکھتے ہیں: الاکتفاءُ بقطعِ الأوداجِ، ولَا یبلغُ بهِ النّخاعَ، وهُو العِرقُ الأبیضُ الّذي یکونُ فِي عظمِ الرّقبةِ، ولَا یُبان الرّأسُ، ولَو فعلَ ذلكَ یُکرَہ لما فیهِ مِن زیادةِ إیلامٍ مِن غیرِ حاجةٍ إلیهَا، وفِي الحدیثِ: «ألَا لَا تنخعُوا الذّبیحةَ»، والنّخعُ القتلُ الشّدیدُ حتّی یبلغَ النّخاعَ-❸

یعنی، صرف رگیں کاٹنے پر اکتفا کرنا اور حرام مغز تک نہ پہنچنا مستحب ہے اور حرام مغز گردن کی ہڈی میں ایک سفید رنگ کی رگ کو کہتے ہیں اور نہ ہی سر کو الگ کیا جائے اور اگر اُس نے ایسا کیا تو یہ مکروہ ہو گا کیونکہ اس میں بلا ضرورت جانور کو زیادہ تکلیف پہنچانا ہے، اور حدیث شریف میں ہے کہ ذبیحہ کو سختی کے ساتھ قتل نہ

---

❶ فتاوی النوازل، کتاب الصید والذبائح، فصل فی الذبح، ص ۲۳۵

❷ شرح مختصر الکرخی، کتاب الذبائح، باب صفة الذکاة، ٦/ ۲۸۵

❸ بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل فی شرط حل الأکل فی الحیوان المأکول، ٦/ ۲۷۰-۲۷۱

کرو۔اور نخع سے مراد ایسا سخت قتل ہے جو حرام مغز تک پہنچ جائے۔

اور کراہت کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: أمّا الكَراهةُ فلِما رُوِيَ عَن النَّبِيِّ عَلَيهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ: «أنّه نَهَى أنْ تُنْخَعَ الشّاةُ إذَا ذُبِحَتْ»-❶

یعنی، اوراس میں کراہت اس وجہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ذبح کرتے وقت حرام مغز تک پہنچنے سے منع فرمایا ہے۔

اور علامہ محمد بن عبد اللہ تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: كُره كُلّ تَعذيبٍ بلا فائدةٍ مِثْلُ (قَطعِ الرّأس والسَّلخِ قبل أن تَبْرُد) أي تَسكُنَ عَن الاضطِراب-❷

یعنی، جانور کو ہر بے فائدہ عذاب دینا مکروہ ہے مثلاً جانور ٹھنڈا ہونے سے قبل یعنی اضطراب ختم ہونے سے قبل جانور کا سر کاٹنا یا جانور کی کھال اُتارنا مکروہ ہے۔

اور اس کے تحت علامہ اکمل الدین محمد بن محمد بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ ❸ لکھتے ہیں اور اُن سے علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ ❹ لکھتے ہیں: هذَا هُو الأصلُ الجَامعُ فِي إفادةِ مَعنَى الكَراهةِ- [واللفظ للشامی]

یعنی، کراہت کا حکم بیان کرنے میں یہ قاعدہ جامع ہے۔

اور یہاں کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ چنانچہ مُلّا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: كُره (السَّلخُ قبلَ أن تبرُد وكُلّ تعذيبٍ بلَا فائدةٍ)

---

❶ الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الذبائح، تحت قوله: ومن بلغ بالسكين إلخ، ٢/ ٣٤٥، مطبوعة: دار الأرقم، بيروت

❷ تنوير الأبصار وشرحه الدر المختار، كتاب الذبائح، ص ٦٤٠

❸ العناية شرح الهداية، كتاب كتاب الذبائح، تحت قوله: لما بينا، ٦/ ٧٧

❹ رد المحتار، كتاب الذبائح، ٩/ ٤٩٥

كقطعِ الرّأسِ وجرّ مَا يريدُ ذبحهُ إلَى المذبحِ- ثمّ الكراهة فِي هذهِ لمعنى زيادة الألمِ قبلَ الذّبحِ أو بَعده فلَا يوجبُ التّحريم، بَل يوجبُ التّنزيه لما أخرجَه الجماعةُ عنْ شدّادِ بنِ أوسٍ أنّ النّبيَّ صلّى الله عليه وسلّم قالَ: إنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ، فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ- ❶

یعنی، جب تک جانور ٹھنڈانہ ہوجائے اُس کی کھال اُتارنااور ہر بے فائدہ تکلیف دینامکروہ ہے جیسے سر کاٹنایاجس جانور کوذبح کرناہو اُسے گھسیٹتے ہوئے ذبح کی جگہ لے جانامکروہ ہے پھر کراہت اس میں ایک حکم کی وجہ سے ہے اوروہ ذبح سے قبل یااس کے بعد جانور کوزیادہ تکلیف پہنچاناہے لہٰذایہ حُرمت کوواجب کرنے والی نہیں بلکہ کراہتِ تنزیہی کوواجب کرنےوالی ہے کیونکہ مُحدّثینِ عظام کی ایک جماعت نے حضرت شدّادبن اوس رضی اللہ عنہ کے حوالے سےاس حدیث کی تخریج کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اللہ تعالی نےہر چیز پر احسان کرنامقرر فرمادیاہےاس لئے جب تم کسی کو قتل کروتو قتل میں بھی احسان برتواور ذبح کروتوذبح میں بھی احسان برتو،اور تم میں سے کسی شخص کوچاہیے کہ وہ چھری تیز کرے اوراپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔❷

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم السبت، ۱۱/ ذو الحجة، ۱٤۲٥ھ-۲۲/ جنوری، ۲۰۰٥م

JIA-592

مفقودُالخبر کی وراثت

❶ فتح باب العناية في شرح كتاب النقاية، كتاب الذبائح، ٤/ ۷۸-۷۹

❷ صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح إلخ، برقم: ١٩٥٥، ٣/ ١٥٤٨

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا، اس کی اولاد میں تین بیٹے مسمّی عبد القادر، محمد رفیق اور محمد اور بیٹی مسمّات عائشہ اور بیوہ خدیجہ زندہ تھے اور پھر خدیجہ کا انتقال ہوا اور اس کی اولاد میں تین بیٹے جو کہ زندہ اور موجود ہیں اور ایک بیٹی مسمات عائشہ جو اپنی والدہ کی زندگی سے ہی گم ہے اس کا کوئی علم نہیں کہ کہاں ہے اس کو تقریباً بیس (۲۰) سال گزر چکے ہیں، اب مرحوم کا ترکہ مذکورہ بالا ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگا اور عائشہ جو کہ اتنے عرصہ سے گم ہے اس کا حصہ کسے ملے گا؟

(سائل: عبد القادر قادری عطاری، علاقہ ٹھٹائی کمپاؤنڈ، لائٹ ہاؤس، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں برتقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد اُمور ثلاثہ متقدمہ علی الارث (یعنی کفن دفن کے تمام اخراجات اور اگر مرحوم کے ذمے قرض ہو تو اُس کی ادائیگی اور غیر وارث کے لئے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے اُسے پورا کرنے کے بعد) مرحوم کے مکمل ترکہ کو چھپن حصوں میں تقسیم کرکے ہر بیٹے کو سولہ، سولہ حصے اور بیٹی کو آٹھ حصے ملیں گے۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ (1)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر۔ (کنز الایمان)

المسئلۃ من: ۸×۷=۵۶

زید

المیــت

---

(1) النسآء: ۴/ ۱۱

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
خدیجہ	عبدالقادر	محمد رفیق	محمد	عائشہ
۱/×	۲/۱۴	۲/۱۴	۲/۱۴	۱/۷

المسئلة من : ۷

خدیجہ

المیـــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
عبدالقادر	محمد رفیق	محمد	عائشہ
۲	۲	۲	۱

کل ہندسہ ۵۶

الأحیـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــاء

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
عبدالقادر	محمد رفیق	محمد	عائشہ
۱۶	۱۶	۱۶	۸

اور مسمّات عائشہ جو مفقودہ ہے اُسے اپنے باپ سے سات (۷) حصے اور ماں سے ایک حصہ ملا، جب باپ کا انتقال ہوا تو وہ مفقودہ نہ تھی اور جب ماں فوت ہوئی تو وہ مفقودہ تھی۔ اس لئے باپ اور ماں سے ملنے والے حصے محفوظ کر لئے جائیں گے، اگر ستر سال کی عمر ہونے تک اس کا زندہ ہونا ظاہر نہ ہوا تو قاضی اس کو مردہ قرار دے کر باپ سے ملنے والے حصے اس کے ورثاء میں جو اس وقت زندہ ہوں گے، ان پر تقسیم ہوں گے۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: گُمشدہ شخص کے مال کو محفوظ رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی موت کا حکم دے دیا جائے اور اس کی مقدار صاحبِ "فتح القدیر" ❶ کی رائے میں یہ ہے کہ مفقود کی عمر کے ستر برس گزر جائیں تو قاضی اس کی موت کا حکم دے گا اور اس کی جو املاک ہیں وہ ان لوگوں پر تقسیم ہوں گی جو اس موت کے حکم کے وقت موجود ہیں۔ ❷

اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ امام برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر اَخلاطی حسینی حنفی نے "جواهر الأخلاطی" ❸ میں اور اُن سے نقل کرتے ہوئے امام اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اپنے فتاویٰ ❹ میں لکھا ہے۔

اور ماں سے ملنے والا حصہ اس کے تینوں بھائیوں عبد القادر، محمد رفیق اور محمد کو ملے گا کیونکہ ماں کے انتقال کے وقت وہ مفقودہ تھی۔ اور

مفقود کا حکم: یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے حق میں زندہ شمار ہوتا ہے کہ اس کی بیوی دوسرے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی اور نہ اس کا مال وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ اور دوسرے کے حق میں مردہ شمار ہوتا ہے یعنی اس زمانہ میں کسی کا وارث نہیں ہوتا۔

چنانچہ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: و الحاصلُ أنّه حيٌّ في مال نفسِه فلا يُورَثُ ميتٌ في حقّ غيرِه فلا يَرِث- ❺

یعنی، اور حاصل کلام یہ ہے کہ مفقود اپنے مال کے حق میں زندہ ہے پس اس

---

❶ فتح القدير، كتاب المفقود، تحت قوله: أن يقدر بتسعين، ٥/ ٣٧٤

❷ بہار شریعت، گمشدہ شخص کی وراثت کا بیان، ۱/۲۰/۱۱۸۱

❸ جواهر الأخلاطي، مسائل المفقود، ق ١٢٠/ الف

❹ فتاویٰ رضویہ، کتاب الفرائض، ۲۶/۱۰۱

❺ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المفقود، تحت قوله: و لا يرث من أحد مات، ٥/ ٢٧٨

کا مال وارثوں میں تقسیم نہیں ہو گا اور اپنے غیر کے حق میں مردہ ہے پس وہ کسی کا وارث نہیں ہو گا۔

اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب اس کی موت کے حکم تک اس کا زندہ ہونا معلوم نہ ہو۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: و هذا إذا لم تُعلم حياته إلى أن يُحكَم بموتِه- ❶

یعنی، اور یہ اس وقت ہے کہ جب اس کے حکمِ موت تک اس کا زندہ ہونا معلوم نہ ہو۔ اور

مفقود کے وارث نہ ہونے کا مطلب:

یہ ہے کہ وہ اس حصے کا جو اُسے مُورِث سے ملا ہے مالک نہیں ہو گا۔

چنانچہ امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ اور اُن سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ولا يرِثُ المفقودُ أحدًا ماتَ في حالِ فَقدِه، ومعنَى قولِنا " لَا يرِث المفقود أحدًا " أنّ نصيبَ المفقودِ مِن الميراث لا يَصير ملكًا لِلمفقود، أمّا نصيبُ المفقود من الإرث فيَتوقَّفُ، فإن ظهرَ حيًّا عُلِم أنّه كان مُستَحِقًّا، وإن لَم يَظهَرْ حيًّا حتّى بلغَ تِسعِينَ سنَةً فما وُقِف له يُرَدُّ علَى وَرَثَة صاحبِ المالِ يومَ ماتَ صاحبُ المالِ-❷

یعنی، اور مفقود کسی ایسے شخص کا وارث نہیں ہو گا جو مفقود کے گُم ہونے کی

❶ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المفقود، تحت قوله: ولا يرث من أحد مات، ٥/ ٢٧٨

❷ الكافي للنسفي، كتاب المفقود، ٢/ ٣٤٩/ ب-٣٥٠/ الف
الفتاوى الهندية، كتاب المفقود، ٢/ ٣٠٠

حالت میں فوت ہوا اور ہمارے قول "لا يرثُ المفقودُ أحدًا" کا مطلب یہ ہے کہ میراث سے مفقود کا حصہ اس کی مِلک نہیں ہوتا، مگر ترکہ سے حصہ پس وہ موقوف رہے گا پھر اگر اس کا زندہ ہونا ظاہر ہوا تو معلوم ہو جائے گا کہ مفقود اس حصہ کا مستحق ہے اور اگر زندہ ہونا ظاہر نہ ہوا یہاں تک کہ اس کی عمر نوّے سال (فتویٰ ستر سال والے قول پر ہے جیسا کہ اُوپر گزرا) کو پہنچ گئی تو اس کے لئے جو حصہ روکا گیا تھا وہ صاحبِ مال کے انہی ورثاء پر لوٹا دیا جائے گا جو صاحبِ مال کی وفات کے دن اس کے وارث تھے۔

والله تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم السبت، ٦/ صفر المظفر، ١٤٢٣ھ - ٢٠/ مارچ، ٢٠٠٢م

JIA-253

بیوہ، چار بیٹوں اور تین بیٹیوں میں تقسیم ترکہ

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے والد کا ترکہ تقریباً ایک کروڑ پچانوے لاکھ بنتا ہے اور مرحوم کے ورثاء میں اُن کی بیوہ، چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں میں محمد ابراہیم، محمد ناصر، محمد حنیف اور محمد انیس ہیں جبکہ بیٹیوں میں سائرہ، شائنہ اور صائمہ ہیں۔ برائے کرام شریعتِ مطہرہ کی رُو سے واضح فرمائیں کہ مرحوم کا ترکہ اُن کے ورثاء میں کس طرح تقسیم ہو گا؟

(سائل: محمد حنیف)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں برتقدیر صدقِ سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد اُمور ثلاثہ متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کا مکمل ترکہ اٹھاسی (٨٨) حصوں پر تقسیم ہو گا جس میں سے بیوہ کو آٹھواں حصہ یعنی گیارہ (١١) حصے ملیں گے کیونکہ میت کی اولاد موجود ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ۔ ❶
ترجمہ، پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں۔ (کنزالایمان)

اور بقیہ ستتر (۷۷) حصے مرحوم کی اولاد کے درمیان تقسیم ہوں گے اور وہ اس طرح کہ ہر ایک بیٹے کو چودہ، چودہ حصے (۱۴،۱۴) اور ہر ایک بیٹی کو سات، سات (۷،۷) حصے ملیں گے کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹی کی بنسبت ڈگنا ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ۔ ❷

ترجمہ، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر۔ (کنزالایمان)

المسئلة من ۸×۱۱=۸۸

المیـــــــــــــــــــــــــــــت

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱			۷۷/۷				
۱۱	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب
۲۵/ رجب المرجب، ۱۴۲۴ھ-۲۳/ ستمبر، ۲۰۰۳م

JIA-492

چار بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیم وراثت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے، اُن کے ترکہ میں ایک مکان ہے جس کی قیمت پچاس لاکھ ہے اور ہماری والدہ اور ایک بہن کا انتقال والد کی حیات ہی میں

❶ النسآء: ۴/ ۱۲
❷ النسآء: ۴/ ۱۱

ہو چکا تھا اور اب ہم چار بھائی، دو بہنیں اور ہماری مرحومہ بہن کے دو بچے ہیں، برائے کرم اس معاملے میں رہنمائی فرمائیں کہ مذکورہ رقم میں کون سے کون کتنے حصے کا وارث ہے؟ (سائل: محمد رضوان شیخ، بلدیہ ٹاؤن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں برتقدیرِ صدقِ سائل وانحصار ورثاء درمذکورین بعد اُمورِ ثلاثہ متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کامکمل ترکہ اُن کے چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کے درمیان دس حصوں پر تقسیم ہو گا اور وہ اس طرح کہ ہر ایک بیٹے کو دو، دو حصے اور ہر ایک بیٹی کو ایک، ایک حصہ ملے گا کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹی کی بنسبت دُگنا ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ [1]

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصّہ دو بیٹیوں برابر۔ (کنزالایمان)

اور مرحوم کی جائیداد میں اُن کی فوت شُدہ بیٹی کی اولاد کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ وہ ذوی الارحام میں سے ہیں۔

چنانچہ علامہ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی حنفی متوفی ۶۰۰ھ لکھتے ہیں: الصّنف الأوّلُ: ینتمِی إلَی المیّتِ وهُم أولاد البناتِ وأولاد بناتِ الإبنِ. [2]

یعنی، ذوی الارحام کی پہلی قسم جو میت کی طرف منسوب ہوتی ہے اور یہ میت کی

[1] النسآء: ٤/ ١١
[2] السراجية، باب ذوی الأرحام، ص ٩٠

بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد ہیں۔

اور مرحوم کی اولاد عصبہ ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام محروم رہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھاہے: وإنّما یرث ذوو الأرحامِ إذَا لَم یکن أحدٌ مِن أصحابِ الفرائضِ ممّن یردّ علیہِ ولَم یکنْ عصبةٌ۔ (1)

یعنی، ذوی الارحام اسی وقت وارث ہوں گے جب کہ اصحاب فرائض میں سے وہ لوگ موجود نہ ہوں جن پر مال دوبارہ رد کیا جاسکتا ہو اور عصبہ بھی نہ ہو۔ (2)

ہاں اگر مرحوم کے عاقل بالغ ورثاء باہمی رضامندی سے کل ترکہ سے یا کوئی وارث اپنے حصہ سے مرحومہ بہن کے بچوں کو جو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اس پر وہ اجر و ثواب کا حقدار ہو گا۔

اور مرحوم سے پہلے انتقال کر جانے والی والدہ اور بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وراثت کا حقدار وہی ہوتا ہے جو اپنے مُورث کی موت کے وقت زندہ ہو۔

چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: وجودُ وارِثہ عِند مَوتِہ حیًّا۔ (3)

یعنی، وراثت کا حقدار ہونے کیلئے مُورِث کی موت کے وقت اُس کے وارث کا زندہ موجود ہونا شرط ہے۔

---

(1) الفتاوی الهندیة، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، ٦/ ٤٥٩

(2) بہارِ شریعت، ذوی الارحام کا بیان، ۳/ ۲۰/ ۱۱۶۱

(3) رد المحتار، کتاب الفرائض، تحت قوله: علم بأصول إلخ، ١٠/ ٥٢٥

وصورة المسئلة ھکذا: ۱۰

المیــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۲	۲	۲	۲	۱	۱

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء، ۲۵/ رجب المرجب، ۱٤۲٤ھ-۲۳/ سبتمبر، ۲۰۰۳م

JIA-488

مناسخہ

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام دین فوت ہوا۔ پیچھے ایک بیوی، چھ بیٹوں اور ایک بیٹی کو چھوڑا پھر امام دین کا بڑا بیٹا فوت ہوا۔ اور پیچھے ایک بیوی، ماں، پانچ بھائیوں اور ایک بہن کو چھوڑا پھر امام دین کی اہلیہ کا انتقال ہوا اور پیچھے پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی کو چھوڑا۔ اب مرحوم امام دین کی جائیداد اس کے ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگی نیز کچھ چیزیں مرحوم نے اپنی اولادوں کو دی تھیں وہ ان کے پاس رہیں گی یا وہ بھی تقسیم ہوں گی؟

(سائل: ابن امام دین، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں برتقدیر صدق سائل وانحصارِ ورثاء درمذکورین بعد اُمورِ ثلاثہ متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کا مکمل ترکہ چھ ہزار آٹھ سو چونسٹھ (۶۸۶۴) حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے دوسو اکتیس (۲۳۱) حصے مرحوم کے بڑے بیٹے کی بیوہ کو ملیں گے اور بقیہ چھ ہزار تیس (۶۰۳۰) حصے مرحوم امام دین کے پانچ زندہ بیٹوں اور ایک بیٹی کے درمیان تقسیم ہوں گے اور وہ اس طرح کہ ہر ایک بیٹے کو بارہ سو چھ، بارہ سو چھ (۱۲۰۶،۱۲۰۶) حصے ملیں گے اور بیٹی کو چھ سو تین (۶۰۳) حصے ملیں گے اور

مرحوم نے اپنی زندگی میں جو کچھ اولاد کو دیا وہ اب اُن کی ملکیت ہے لہٰذا وہ چیزیں ورثاء کے درمیان تقسیم نہیں ہوں گی۔

چنانچہ امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ امام شعبی رضی اللہ عنہ سے مروی، کہتے ہیں: «لَا تَجُوزُ الصَّدَقَةُ إِلَّا صَدَقَةٌ مَقْبُوضَةٌ»-❶

یعنی، قبضہ کے بغیر صدقہ جائز نہیں ہوتا ہے۔

اور امام ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ نقل کرتے ہیں: قَولُه عَلَيهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ «لَا تَجُوزُ الهِبَةُ إِلَّا مَقْبُوضَةٌ»-❷

یعنی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں ہوتا ہے۔

اور یہاں عدمِ جواز سے مراد ثبوتِ ملک کی نفی ہے۔ چنانچہ آگے لکھتے ہیں: وَالمرادُ نفيُ المِلكِ-❸

یعنی، اس سے مراد ملکیت کی نفی ہے۔

اسی لئے فقہائے کرام نے لکھا کہ ہبہ پر ثبوتِ ملک کیلئے قبضہ ضروری ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں: الهِبةُ لَا تَتِمّ إلّا بالقبضِ-❹

یعنی، ہبہ قبضے کے بغیر تام (مکمل) نہیں ہوتا ہے۔

---

❶ المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصدقة، باب لا تجوز الصدقة إلا بالقبض، برقم: ۱۶۹۰۳، ۹/ ۵۴

❷ الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الهبة، ۲/ ۲۱۸

❸ الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الهبة، ۲/ ۲۱۸

❹ كتاب المبسوط، كتاب الهبة، باب ما يجوز من الهبة وما لا يجوز، ۶/ ۱۲/ ۶۲

اور علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: وَ القَبضُ لَا بُدَّ مِنهُ لِثُبُوتِ المِلکِ-[1]

یعنی، ہبہ پر ملکیت ثابت ہونے کیلئے قبضہ ضروری ہے۔

وصورة المسئلة هكذا: ۸×۱۳=۱۰۴×۶۶=۶۸۶۴

مرحوم امام دین

المیــت

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
۱ / –			۹۱/۷				
۱۳	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷
۸۵۸	×	۹۲۴	۹۲۴	۹۲۴	۹۲۴	۹۲۴	۴۶۲
×							

المسئلة من: ۱۲×۱۱=۱۳۲(۶۶)   بينهما توافق بالنصف   بڑا بیٹا مف ۱۴(۷)

المیــت

بیوہ	ماں	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن
۳ / –	۲ / –			۷/۷۷			
۳۳	۲۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷
۲۳۱	۱۵۴	۹۸	۹۸	۹۸	۹۸	۹۸	۴۹
	×						

المسئلة من: ۱۱(۱)   بينهما تداخل   امام دین کی بیوہ مف ۱۰۱۲(۹۲)

المیــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی

---

[1] الهداية شرح بداية المبتدی، کتاب الهبة، ۲/ ۲۱۸

	٢	٢	٢	٢	٢	١
	١٨٤	١٨٤	١٨٤	١٨٤	١٨٤	٩٢

کل ہندسہ ٦٨٦٤

الأحیــیاء

بڑے بیٹے کی بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
٢٣١	١٢٠٦	١٢٠٦	١٢٠٦	١٢٠٦	١٢٠٦	٦٠٣

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ٤/ شعبان، ١٤٢٢ھ-٢٢/ اکتوبر، ٢٠٠١م

JIA-132

بیوہ دو بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیم ترکہ

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرحوم بصارت علی کا انتقال ہوا، پیچھے ایک بیوہ مسمّات زینب بائی، دو بیٹے مسمّی محمد سلیم اور محمد حنیف اور دو بیٹیوں مسمّات رضیہ اور فریدہ کو چھوڑا ہے، اب مرحوم کی جائیداد مذکورہ بالا ورثاء میں قرآن وسنت کی روشنی میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

(سائل: محمد سلیم، بمبئی ہاؤس، بمبئی بازار، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصارِ ورثاء درمذکورین بعد اُمورِ ثلاثہ متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کا مکمل ترکہ اڑتالیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے بیوہ کو آٹھواں حصہ یعنی چھ حصے ملیں گے کیونکہ میت کی اولاد موجود ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم۔ ❶

---

❶ النسآء: ٤/ ١٢

ترجمہ، پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں۔(کنزالایمان)

اور بقیہ بیالیس حصے مرحوم کی اولاد کے درمیان اس طرح تقسیم ہوں گے کہ ہر ایک بیٹے کو چودہ، چودہ حصے اور ہر ایک بیٹی کو سات، سات حصے ملیں گے کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹی کی بنسبت دُگنا ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ❶

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر۔ (کنزالایمان)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الأحد، ٤/ رمضان المبارك، ١٤٢٣ھ-١٠/ نومبر ٢٠٠٢م

قرآن میں سات منزلیں کیوں اور ہر منزل کی حد

استفتاء:۔ کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قُرآن کریم کو سات منزلوں میں کیوں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کی حد کیا ہے اور ختم قرآن میں بزرگوں کا طریقہ کیا رہا ہے؟

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: قرآن مجید کی سات منزلیں اس لئے کی گئیں تھیں کہ تلاوت کرنے والا روزانہ ایک منزل کے حساب سے تلاوت کر کے سات دن میں قرآن ختم کر سکے۔

چنانچہ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں: قرآن پاک کی تقسیم اس زمانہ پاک (عہد رسالت) میں دو طریقے سے ہو چکی تھی۔ ایک سورتوں

---

❶ النسآء: ٤/ ١١

سے دوسری منزلوں سے یعنی قرآن پاک کی سات منزلیں کی گئیں تھیں کہ تلاوت کرنے والا ایک منزل روزانہ کے حساب سے ختم کرکے سات دن میں۔ ❶

اور اسی میں "سات منزلوں میں سے ہر ایک کی ابتداء اور انتہاء" کے بارے میں مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی لکھتے ہیں: پہلی منزل سورہ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے دوسری مائدہ سے تیسری سورہ یونس سے چوتھی سورہ بنی اسرائیل سے۔ پانچویں سورہ شعراء سے چھٹی سورہ والصفت سے اور ساتویں سورہ ق سے۔ ❷

اور ختم قرآن کے بارے میں بزرگانِ دین کے طریقے مختلف رہے ہیں کچھ ایک ماہ میں ایک ختم کرتے تھے، اور کچھ ایک ہفتہ میں ایک ختم۔ اسی طرح مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ❸

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

آیاتِ شفاء کتنی اور کون سی ہیں؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیاتِ شفاء کتنی ہیں اور کون کون سی ہیں؟ بیّنوا و توجروا عند اللہ.

(سائل: محمد آصف، اسلام پورہ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: اس بارے میں علامہ شہاب الدین محمود بن عبد اللہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: وآیاتُ الشِفاء وهي ستٌّ: وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ، شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ، فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ، وَنُنَزِّلُ

---

❶ تفسیر نعیمی، مقدمہ، ۱/۱۱، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، لاہور

❷ تفسیر نعیمی، مقدمہ، ۱/۱۱

❸ مراۃ المناجیح، باب آدابِ تلاوت، ۳/۲۸۹

مِنَ الْقُرْآنِ ما هُوَ شِفاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ، وَإِذا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ،
قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدىً وَشِفاءٌ -❶

یعنی آیات شفاء چھ (٦) ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ-❷

ترجمہ: اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا۔(کنزالایمان)

(۲) شِفاءٌ لِما فِي الصُّدُورِ-❸

ترجمہ: اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔(کنزالایمان)

(۳) فِيهِ شِفاءٌ لِلنَّاسِ-❹

ترجمہ: جس میں لوگوں کی تندرستی ہے۔(کنزالایمان)

(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ ما هُوَ شِفاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ-❺

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔(کنزالایمان)

(۵) وَإِذا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ-❻

ترجمہ: اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔(کنزالایمان)

(٦) قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدىً وَشِفاءٌ-❶

---

❶ روح المعانی، سورۃ بنی اسرائیل، تحت الآیۃ: ۸۲، ۱۵/ ۱٤٥
❷ التوبۃ:۹/ ۱٤
❸ یونس:۱۰/ ۵۷
❹ النحل:۱٦/ ٦۹
❺ بنی اسرائیل:۱۷/ ۸۲
❻ الشعراء:۲٦/ ۸۰

ترجمہ: تم فرماؤوہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔(کنزالایمان)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۹/ جمادی الأول،۱٤۲۲ھ-۳۱/ جولائی،۲۰۰۱م JIA-97

دورانِ وعظ درود پڑھنے کا حکم دینا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ محفلِ وعظ میں بعض خطیب حضرات دورانِ خطاب دُرود شریف پڑھنے کیلئے کہتے ہیں کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے اور کیا اس پر مقرر کو ثواب ہوگا؟

(سائل: محمد راشد، نیا آباد، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں یہ عمل جائز ہے اور اس پر مقرر کو ثواب ملے گا۔

چنانچہ علامہ حسام الدین عمر بن عبد العزیز حنفی متوفی ۵۳٦ھ [2]، امام برہان الدین ابو المعالی محمود ابن مازہ بخاری حنفی متوفی ٦۱٦ھ [3]، امام فرید الدین عالم بن علاء دہلوی حنفی متوفی ۷۸٦ھ [4]، علامہ محمد بن شہاب ابن بزار کردری حنفی متوفی ۸۲۷ھ [5] اور مخدوم محمد جعفر بوبکانی حنفی متوفی فی أواخر القرن العاشر [6] لکھتے ہیں: العَالِم إذَا قالَ: فِي المجلسِ صلّوا علَى النّبي عليهِ السّلامُ أو الغَازي يقولُ كبّروا حَيث يثابُ۔ [واللفظ للأوّل]

---

[1] حم سجدة: ٤١/ ٤٤

[2] الفتاوى الكبرى، كتاب الكراهية، ١/ ١٧٠/ الف

[3] المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع في الصلاة والتسبيح إلخ، ٧/ ٥٠٨

[4] الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الصلوة والتسبيح وقراءة القرآن، ١٨/ ٤٤

[5] الفتاوى البزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العبادات، ٦/ ٣٥٤

[6] فتاوى المتانة، كتاب المكروه والمباح والمحبوب، باب في تعظيم اسم الله تعالى إلخ، ٢/ ٦٤١

یعنی، عالم جب مجلس علم میں کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھو یا غازی لوگوں سے کہے کہ تکبیر کہو تو اُسے ثواب ملے گا۔

والله تعالىٰ أعلم بالصواب

یوم الأربعاء، ۲۵/ جمادی الأخری، ۱۴۲۳ھ-۴/ سبتمبر، ۲۰۰۲م

JIA-308

ملائکہ کے ناموں پر بچوں کے نام رکھنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فرشتوں کے ناموں پر بچوں کے نام رکھنا کیسا ہے جیسے جبریل، میکائیل یا عزرائیل وغیرہ؟

باسمه تعالىٰ وتقدس الجواب: صورت مسئولہ میں فرشتوں کے ناموں پر نام رکھنا ممنوع ہے، اس لئے جبریل، میکائیل یا عزرائیل وغیرہ نام رکھنے سے بچنا چاہیے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: لَا تُسَمُّوا بِأَسْمَاءِ الْمَلَائِكَةِ۔[1]

یعنی، ملائکہ کے ناموں پر نام مت رکھو۔

اور مُلّا علی بن سلطان علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: كرِهَ مالِكٌ التَّسمِّي بأسماء الملائكةِ كجبريلَ. قلتُ: ويؤيِّده مَا رَواه البُخاري فِي تاريخِه عَن عبدِ الله بنِ جرارٍ: «سَمُّوا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تُسَمُّوا بِأَسْمَاءِ الْمَلَائِكَةِ»۔[2]

یعنی، امام مالک علیہ الرحمہ نے ملائکہ کے ناموں پر نام رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے جیسے جبریل، میں کہتا ہوں اس بات کی تائید وہ حدیث شریف کرتی ہے جسے امام بخاری نے اپنی "تاریخ" میں حضرت عبداللہ بن جرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھو، اور ملائکہ کے ناموں پر نام

---

1. کتاب التاریخ الکبیر، باب العین، برقم ۶۱۳۳، ۴/ ۳۴۸
2. مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب الأسامی، ۹/ ۱۰

نہ رکھو۔

اور مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں: ملائکہ کے نام پر نام رکھنا ممنوع ہے لہذا کسی چیز کا جبریل یا میکائیل نام نہ رکھو جیسا کہ حدیث میں ہے۔ چنانچہ بخاری نے اپنی "تاریخ" میں ایک حدیث نقل کی کہ نبیوں کے نام پر نام رکھو فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو۔ ❶

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

غیر صحابی کے ساتھ رضی اللہ عنہ لگانا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صحابہ کرام کے علاوہ پیشوائے دین مثلاً تابعین، تبع تابعین، اولیائے کاملین و دیگر بزرگانِ دین کے نام سے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استعمال کرنا ازروئے شرع کیسا ہے؟

(سائل: فرحان قادری، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صورت مسؤلہ میں تابعین، تبع تابعین، اولیائے کرام اور مشائخ عظام وغیرہم کے لئے "رضی اللہ تعالی عنہ" بول سکتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابو الفضل قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں: ویُذکَر مَن سِواهم من الأئمة وغيرِهم بالغُفرانِ والرِّضا؛ كما قال تعالى: {يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ} [الحشر:۵۹/ ۱۰] وقال: {وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَار والذين اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللهُ عنهم} [التوبۃ: ۹/ ۱۰۰]۔ ❷

---

❶ مرآۃ المناجیح، کتاب الآداب، ناموں کا بیان، ۶/ ۲۸۵

❷ الشفا بتعریف حقوق المصطفی، الباب الرابع، الفصل الثامن فی الاختلاف فی الصلاۃ علی غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلخ، ۲/ ۸۵

یعنی، ائمہ دین اور ان کے سوا اوروں کے لئے "غفر اللہ لھم" اور "رضی اللہ عنھم" ذکر کیا جائے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے (کنز الایمان) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو (پیروی کرنے والے) ہوئے اللہ ان سے راضی (کنز الایمان)۔

لہٰذا مذکورہ بالا آیات مقدسات سے ثابت ہوا کہ تمام پیشوایانِ دین کے حق میں "رضی اللہ تعالیٰ عنه" ذکر کیا جاسکتا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب "علیہ السلام و رضی اللہ عنہ کے استعمال کا شرعی حکم" کا مطالعہ کریں۔ (یہ کتاب 80 صفحات پر مشتمل ہے جس کو ہمارے ادارے جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان نے شوال المکرم ۱۴۳۰ھ۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء میں شائع کیا ہے)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱۹/ شعبان المعظم، ۱٤۲۱ھ-۱٦/ نومبر، ۲۰۰۰م

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا؟

(سائل: محمد شہزاد عطاری، نیا آباد، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، مشہور قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ کا نام "یُوْخانِذ" ہے۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد بغدادی متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں: وَاسمُها

يُوخَانذ مِن نَسلِ لَاوِي بْن يَعقُوب-❶

یعنی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام "یوخانذ" ہے اور یہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہیں۔

اور علامہ ابو الفضل شہاب الدین سیّد محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: وَاختلفَ فِي اسمِ أمِّهِ عَليهِ السَّلام والمشهُور أنّه يُوخانذ، وفِي الإتقانِ هيَ محيَانة، وقِيل: بَارخا وقِيلَ: بَازخت-❷

یعنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ اُن کا نام یوحانذ تھا اور "اتقان" میں ہے کہ محیانہ تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ بارخا تھا اور یہ بھی قول ہے کہ اُن کا نام بازخت تھا۔

اور اسی قول کو صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا نام "یوحانذ" ہے۔❸

اور ایک قول کے مطابق "یوخابد" ہے۔ چنانچہ علامہ محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: ثمّ ولدَ لعمرانَ موسىٰ ،وكانت أمّه يوخَابد-❹

یعنی، پھر حضرت عمران سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی والدہ کا نام "یوخابد" ہے۔

اور ایک قول کے مطابق "یوخابذ" ہے۔ چنانچہ علامہ عبد الرحمن بن علی

---

❶ تفسير الخازن، سورة القصص، تحت الآية: ٧،٣/ ٣٥٦

❷ روح المعاني، سورة طه، تحت الآية: ١٦،٣٨/ ٦٦٦. ٦٦٧

❸ فتاویٰ امجدیہ، کتاب الشتیٰ، متفرق مسائل، ۲/۴/۳۸۴

❹ تاريخ الطبري، ذكر نسب موسى بن عمران، ١/ ٢٣٢

بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: قَال مقَاتل: وَاسْم أمِّ مُوسى «يوخابذ»۔[1]

یعنی، امام مقاتل علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام "یوخابذ" ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۹/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ-۱۷اکتوبر ۲۰۰۱م

JIA-142

[1] زاد المسیر فی علم التفسیر، سورۃ القصص، تحت الآیۃ: ۳، ۷/۶/ ۹۲

ماخذ ومراجع

(١)**القرآن الكريم**،كلام الله تعالیٰ عزّوجلّ

(٢)**أصول الكرخی** للإمام أبی الحسن عبید الله بن الحسین الکرخی الحنفی(ت٣٤٠ھ) مع شرحه للنسفی،مطبوعة:دار الریاحین،بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤٤٢ھ-٢٠٢١م

(٣)**أحکام القران** للجصاص للإمام أحمد بن علی أبی بکر أحمد الرازی الجصاص الحنفی(ت٣٧٠ھ)،مطبوعة:دار الفکر،بیروت،الطبعة الأولی ١٤٢١ھ-٢٠٠١م

(٤)**أحکام القران** لأبی بکر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربی (ت٥٤٣ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت

(٥)**الأذکار** للإمام یحی بن شرف النووی الدمشقی الشافعی (ت٦٧٦ھ)،مطبوعة:دار الحدیث،القاھرة،الطبعة الثانیة١٤١٨ھ-١٩٩٧م

(٦)**الأشباه والنظائر** للعلّامة الشیخ زین الدین بن إبراھیم بن محمد بن بکر المعروف بابن نجیم المصری الحنفی(ت٩٧٠ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤١٣ھ-١٩٩٣م

(٧)**إجابة السائلین بفتوی المتأخرین(الفتاوی الحانوتی)** للإمام محمد بن سراج الدین عمر الحانوتی شمس الدین أبو طاھر المصری الحنفی (ت١٠١٠ھ)، مخطوط مصوّر

(٨)**أشعة اللمعات(فارسی)** للعلّامة المحدث عبد الحق بن سیف الدین بن سعد الله البخاری الدھلوی الحنفی(ت١٠٥٢ھ)،مطبوعة:کتب خانه مجیدیه،ملتان

(٩)**بدائع الصّنائع** للإمام علاء الدین أبی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (ت٥٨٧ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ -١٩٩٧م

(١٠) **بداية المبتدى وشرحه الهداية** لشيخ الإسلام برهان الدين على بن أبي بكر المرغيناني الحنفى (ت٥٩٣هـ)، مطبوعة: دار الأرقم، بيروت

(١١) **البرهان شرح مواهب الرحمن** للشيخ برهان الدين إبراهيم بن موسى بن عبد الله بن أبي بكر بن على الطرابلسي الحنفى (ت٩٢٢هـ)، مطبوعة: كتاب ناشرون، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٣٩هـ-٢٠١٨م

(١٢) **البحر الرائق شرح كنز الدقائق** للعلّامة الشيخ زين الدين بن إبراهيم بن محمد بن بكر المعروف بابن نجيم المصرى الحنفى (ت٩٧٠هـ)، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ-١٩٩٧م

(١٣) **بهارشريعت** لصدر الشريعة محمد أمجد على الأعظمى الحنفى (ت١٣٦٧هـ)، مطبوعة: مكتبة المدينة، كراتشى، طبعة: ١٤٣٥هـ-٢٠١٤م

(١٤) **تفسير الخازن المسمّى لباب التأويل فى معانى التنزيل** للإمام علاء الدين على بن محمد بن إبراهيم البغدادى الشافعى الشهير بالخازن (ت٧٢٥هـ)، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٣٢٥هـ-٢٠٠٤م

(١٥) **تبيين الحقائق** للإمام فخر الدين أبي محمد عثمان بن على بن محجن بن يونس الزيلعى الحنفى (ت٧٤٣هـ)، مطبوعة: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م

(١٦) **التحرير فى أصول الفقه** للعلّامة كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن عبد الحميد بن مسعود السيواسى ثم السكندرى المعروف بابن الهمام (ت٨٦١هـ)، مطبوعة: دار الكتب، بشاور

(١٧) **تعليقات على الدر المختار** للعلّامة إبراهيم بن محمد الحلبى الحنفى (ت٩٥٦هـ)، مخطوط مكتبة حاجى سليم آغا، تركيا، برقم: ٣٠٣

(١٨) **تنوير الأبصار** للشيخ محمد بن عبد الله بن أحمد الغزى الحنفى التمرتاشى (ت١٠٠٤هـ) مع شرحه الدر المختار، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م

(١٩)**تفسیرالمظهری** للقاضی محمد ثناء الله العثمانی الحنفی النقشبندی المظهری (ت١٢٢٥)،مطبوعة:دار إحياء التراث العربی،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٥ھ-٢٠٠٤م

(٢٠)**تفسیر روح المعانی** للعلّامة أبی الفضل شهاب الدين السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی(ت١٢٧٠ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیة، بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤٢١ھ-٢٠٠٠م

(٢١)**تنقیح الفتاوی الحامدیة(العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة)** للإمام الهمام الفقیه العلّامة السید محمد أمین بن عمر عابدین الشامی الحنفی(ت١٢٥٢ھ)،مطبوعة: مکتبة الحقانیة،پشاور،پاکستان

(٢٢)**تفسیرنعیمی** للمفتی أحمد یار خان النعیمی الحنفی (ت١٣٩١ھ)، مطبوعة:مکتبة إسلامیة،لاهور

(٢٣)**تاریخ الطبری** للإمام أبی جعفر محمد بن جریر الطبری(ت٣١٠ھ)، مطبوعة:دارالفکر،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٣١٨ھ-١٩٩٨م

(٢٤)**الجامع لشعب الإیمان** للإمام الحافظ أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی(ت٤٥٨ھ)، مطبوعة:مکتبة الرشد،الریاض،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٣ھ-٢٠٠٣م

(٢٥)**الجامع لأحکام القرآن** للیشخ الإمام أبی عبد الله محمد بن أحمد بن أبی بکر بن فرح الأنصاری الخزرجی القرطبی المالکی (ت٦٧١ھ)، مطبوعة:مطبوعة:دار إحياء التراث العربی،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤١٦ ھ-١٩٩٥م

(٢٦)**الجوهرة النیرة** للإمام أبی بکر بن علی الحنفی المعروف بالحدادی العبادی (ت٨٠٠ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٧ھ-٢٠٠٦م

(٢٧)**جواهر الأخلاطی** للإمام برهان الدين إبراهیم بن أبی بکر بن محمد بن

حسين الأخلاطي الحسيني الحنفي،مخطوط مصوّر

(٢٨)**خزانة الأكمل** للإمام أبي يعقوب يوسف بن علي الجرجاني الحنفي(ت بعد سنة ٥٥٢هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤٣٦هـ-٢٠١٥م)

(٢٩)**حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح** للإمام أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي(ت١٢٣١هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨هـ-١٩٩٧م

(٣٠)**خلاصة الفتاوى** للشيخ طاهر بن أحمد بن عبد الرشيد بن الحسن الإمام افتخار الدين البخاري الحنفي السرخسي(ت٥٤٢هـ) مع مجموعة الفتاوى،مطبوعة:مكتبة رشيديه،كوئتة

(٣١)**خزائن العرفان** لصدر الأفاضل السيّد محمد نعيم الدين الحنفي (ت١٣٦٧هـ)، مطبوعة:ضياء القرآن،لاهور

(٣٢)**الدرر الحكام في شرح غرر الأحكام** للعلّامة محمد بن فراموز بن علي الشهير بمنلا خسرو شيخ الإسلام الرومي الحنفي(ت٨٨٥هـ)،مطبوعة:مير محمد كتب خانه،كراتشي

(٣٣)**الدر المختار** للعلّامة محد بن علي بن محمد بن علي بن عبد الرحمن الحنفي الحصكفي(ت١٠٨٨هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م

(٣٤)**ذخيرة الفتاوى(الذخيرة البرهانية)** للإمام برهان الدين أبي المعالي محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر البخاري الحنفي المعروف بابن مازة (ت٦١٦هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية، بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٤٠ هـ-٢٠١٩م

(٣٥)**ذخيرة الناظر في الأشباه والنظائر** للإمام نور الدين علي بن عبد الله الطوري المصري الحنفي(ت١٠٠٤هـ)،مطبوعة:دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولىٰ١٤٤٠هـ-٢٠١٩م

(٣٦)**الإرشاد فى الفقه الحنفى** للعلّامة أكمل الدين محمد بن محمود بن أحمد البابرتى الحنفى(ت٧٨٦ھ)،مطبوعة:دار الشيّان،اسطنبول،الطبعة الأولىٰ ١٤٤٢ھ-٢٠٠١م

(٣٧)**رد المحتار** للإمام الهمام الفقيه العلّامة السيد محمد أمين بن عمر عابدين الشامى الحنفى(ت١٢٥٢ھ)،مطبوعة:دار المعرفة،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠ ھ-٢٠٠٠م

(٣٨)**زاد المسير فى علم التفسير** للإمام أبى الفرج جمال الدين عبد الرحمن بن على بن محمد الجوزى(ت٥٩٧ھ)،مطبوعة:دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية١٣٢٢ھ-٢٠٠٢م

(٣٩)**سُنَن ابن ماجة** للإمام المحدث أبى عبد الله محمد بن يزيد القزوينى (ت٢٧٣ھ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤١٩ھ-١٩٩٨م

(٤٠)**سُنَن أبى داود** للإمام الحافظ المصنف المتقن أبى داود سليمان بن الأشعث السجستانى الأزدى(ت٢٧٥ھ)،مطبوعة:دار ابن حزم،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤١٨ھ-١٩٩٧م

(٤١)**سُنَن الترمذى** للإمام أبى عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذى (ت٢٧٩ھ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٢١ھ-٢٠٠٠م

(٤٢)**سُنَن النسائى المسمى بالمجتبى** للإمام أبى عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن على بن سنان بن بحر الخراسانى النسائى(ت٣٠٣ھ)،مطبوعة:دار الفكر، بيروت ،١٤١٥ ھ-١٩٩٥م

(٤٣)**سُنَن الدار قطنى** للإمام الحافظ على بن عمر الدار قطنى(ت٣٨٥ھ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤١٧ھ-١٩٩٦ م

(٤٤)**السنن الكبرى** للإمام الحافظ أبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي(ت٤٥٨هـ)، مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت، ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م

(٤٥)**السراجية(في الميراث)** للإمام سراج الدين محمد بن محمد بن عبد الرشيد بن طيفور أبو طاهر السجاوندي الحنفي(ت في حدود ٦٠٠هـ)، مطبوعة: ضياء القرآن،لاهور

(٤٦)**السراج الوهاج** للإمام أبي بكر بن علي الحنفي المعروف بالحدادي العبادي (ت٨٠٠هـ)،مخطوط مصوّر

(٤٧)**سعادة أهل الإسلام بالمصافحة عقِب الصلاة والسلام** في ضمن مجموع رسائل العلّامة أبي الإخلاص حسن بن عمّار بن يوسف الوفائي المصري الشرنبلالي الحنفي (ت١٠٦٩هـ)، مطبوعة:دار اللباب،استطنبول،الطبعة الأولى١٤٣٨هـ-٢٠١٧م

(٤٨)**شرح مختصر الكرخي** للإمام أبي الحسين أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان القدوري البغدادي الحنفي(ت٤٢٨هـ)،مطبوعة:مكتبة الإمام الذهبي،الكويت،الطبعة الأولى١٤٤٣هـ-٢٠٢٢م

(٤٩)**شرح صحيح البخاري** للإمام أبي الحسن علي بن خلف بن عبد الملك الشهير بابن بطال المغربي المالكي والمعروف بابن اللجام(ت٤٤٩هـ)، مطبوعة:مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م

(٥٠)**شرح أصول الكرخي** للإمام نجم الدين أبي حفص عمر النسفي (ت٥٣٧هـ)، مطبوعة:دار الرياحين،بيروت،الطبعة الأولى١٤٤٢هـ-٢٠٢١م

(٥١)**الشفا بتعريف حقوق المصطفى** للقاضي عياض أبي الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبي المالكي(ت٥٥٤هـ)،مطبوعة: دار الأرقم،بيروت

(٥٢)**شرح مجمع البحرين(مبارق الأزهار في شرح مشارق الأنوار)** للعلّامة عبد اللطيف بن عبد العزيز بن أمين الدين الرومي الحنفي المعروف بابن

ملك(ت٨٠١هـ)،مخطوط مصوّر
(٥٣)**شرح كتاب فقه الأكبر** للعلامة نور الدين على بن سلطان القارى الهروى الحنفى(ت١٠١٤هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت
(٥٤)**شرح الفقه الأكبر** للإمام أبى المنتهى أحمد بن محمد المغنيساوى الحنفى،مخطوط مصوّر
(٥٥)**شرح عقود رسم المفتى** للإمام الهمام الفقيه العلّامة السيد محمد أمين بن عمر عابدين الشامى الحنفى(ت١٢٥٢هـ)،مطبوعة:دار النّور للتحقيق والتصنيف،كراتشى،الطبعة الاولى١٤٣٦هـ-٢٠١٥م
(٥٦)**صحيح البخارى** للإمام الحافظ أبى عبد الله محمد بن إسماعيل البخارى (ت٢٥٦هـ)، مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،١٤٢٠هـ-١٩٩٩م
(٥٧)**صحيح مسلم** للإمام مسلم بن الحجاج القشيرى النيسابورى (ت٢٦١هـ)، مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت
(٥٨)**العناية شرح الهداية** للعلّامة أكمل الدين محمد بن محمود بن أحمد البابرتى الحنفى(ت٧٨٦هـ)،مطبوعة: دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولى١٤٢٨هـ-٢٠٠٧م
(٥٩)**عمدة القارى** للإمام بدر الدين أبى محمد محمود بن أحمد العينى الحنفى (ت٨٥٥هـ)، مطبوعة:دار الفكر،بيروت،الطبعة الأولى١٤١٨هـ-١٩٩٨م
(٦٠)**غنية المستملى فى شرح منية المصلى** للعلّامة إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبى الحنفى(ت٩٥٦هـ)،مطبوعة:مكتبهٔ نُعمانيه،كوئته
(٦١)**فتاوى النوازل** للإمام أبى الليث نصر بن محمد بن إبراهيم السمرقندى الحنفى(ت٣٧٥هـ)،مطبوعة:مير محمد كتب خانه،كراتشى
(٦٢)**الفقيه والمتفقه** للإمام أبى بكر أحمد بن على بن ثابت بن أحمد بن مهدى الخطيب البغدادى(ت٤٦٣هـ)،مطبوعة:دار ابن الجوزى،السعودية،الطبعة الثانية١٤٢١هـ
(٦٣)**الفتاوى الكبرى** للإمام الصدر الكبير الشهيد حسام الدين عمر بن

عبد العزيز بن مازه الحنفی (ت٥٣٦ھ)،مخطوط مصوّر

(٦٤)**الفتاوى النسفی** للإمام نجم الدين عمر بن محمد بن أحمد النسفی الحنفی الشهير بعلامة سمرقند(ت٥٣٧ھ)،مخطوط مصوّر

(٦٥)**فتاوى قاضیخان علی هامش الهندية** للإمام فخر الدين حسن بن منصور الأوزجندی الفرغانی الحنفی(ت٥٩٢ھ)،مطبوعة:دار المعرفة، بیروت،الطبعة الثالثة١٣٩٣ھ-١٩٧٣م

(٦٦)**الفتاوى السراجية** للعلّامة سراج الدين علی بن عثمان بن محمد التيمی الأوشی الفرغانی الحنفی(ت٥٦٩ھ)،مطبوعة:میر محمد کتب خانه،کراتشی

(٦٧)**الفتاوى الظهيرية** للإمام ظهير الدين أبی بكر محمد بن أحمد بن عمر الحنفی (ت٦١٩ھ)،مخطوط مصوّر

(٦٨)**الفتاوى التاتارخانية** للإمام الفقيه عالم بن علاء الأندريتی الحنفی (ت٧٨٦ھ)، مطبوعة:مكتبه فاروقيه،كوئتة

(٦٩)**الفتاوى البزازية على هامش الهندية** للشيخ الإمام حافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب المعروف بابن البزار الكردری الحنفی(ت٨٢٧ھ)، مطبوعة:دارالمعرفة، بیروت، الطبعة الثالثة١٣٩٣ھ-١٩٧٣م

(٧٠)**فتح القدير** للعلّامة كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن عبد الحميد بن مسعود السيواسی ثم السكندری المعروف بابن الهمام(ت٨٦١ھ)، مطبوعة:دار إحياء التراث العربی،بیروت

(٧١)**المتانة فی المرمة عن الخزانة** للعلّامة المخدوم محمد جعفر البوبكانی الحنفی(ت فی أواخر القرن العاشر)،مطبوعة:مكتبة عمریه،كوئتة

(٧٢)**فتح باب العناية فی شرح كتاب النقاية** للعلّامة نور الدين علی بن سلطان القاری الهروی الحنفی(ت١٠١٤ھ)،مبطوعة:دار إحياء التراث العربی، بیروت،الطبعة الأولی١٤٢٦ھ-٢٠٠٥م

(٧٣)**الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الفتاوى الحامدية** للعلّامة خير الدين بن أحمد الأيوبی الرملی الحنفی(ت١٠٨١ھ)،مطبوعة:مكتبه حقّانية،بشاور

(٧٤)**الفتاوى الهندية** للعلّامة الهمّام مولانا الشيخ نظام الدين الحنفى وجماعة من علماء الهند الأعلام،مطبوعة:دار المعرفة،بيروت،الطبعة الثالثة ١٣٩٣ هـ -١٩٧٣م

(٧٥)**العطاء النبوية فى الفتاوى الرضوية** لإمام أهل السنة الحاج الحافظ القارى الشاه أحمد رضا خان الحنفى (ت١٣٤٠هـ)، مطبوعه:رضافاؤنڈيشن ،لاهور،طبعة:١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م

(٧٦)**فتاوى أمجدية** لصدر الشريعة محمد أمجد على الأعظمى الحنفى (ت١٣٦٧هـ)، مطبوعة:مكتبة رضوية،كراتشي، طبعة:١٤٣٤هـ- ٢٠١٣م

(٧٧)**فتاوى نورية** للمفتى محمد نور الله النعيمى الحنفى(ت١٤٠٣هـ)، مطبوعة:شعبهٔ تصنيف وتاليف دار العلوم حنفية فريدية بصيرپور،ضلع اوكاڑه،طبعة:١٤٢٠هـ-١٩٩٩م

(٧٨)**وقارالفتاوىٰ** للمفتى الأعظم باكستان المفتى محمد وقار الدين الحنفى القادرى (ت١٤١٣هـ)،مطبوعه:بزم وقار الدين،كراتشي، طبعة:١٤١٩هـ-١٩٩٨م

(٧٩)**فتاوى فيض الرسول** للمفتى جلال الدين أحمد الأمجدى الحنفى (ت١٤٢٢هـ)، مطبوعة:شبير برادرز، لاهور، طبعة:١٤١١هـ-١٩٩٢م

(٨٠)**فتاوى بحرالعلوم** للمفتى عبد المنّان الأعظمى الحنفى(١٤٣٤هـ)، مطبوعه:شبير برادرز،لاهور،طعة:١٤٣١هـ-٢٠١٠م

(٨١)**القول الفصل شرح الفقه الأكبر** للعلّامة محى الدين محمد بن بهاء الدين الماتريدى الحنفى(ت٩٥٦هـ)،مخطوط مصور

(٨٢)**القول الفصل شرح الفقه الأكبر** للعلّامة محى الدين محمد بن بهاء الدين الماتريدى الحنفى(ت٩٥٦هـ)،مطبوعة:وقف الإخلاص،استانبول

(٨٣)**كنز الدقائق** للشيخ الإمام أبى البركات عبد الله بن أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفى(ت٧١٠هـ)،مطبوعة:دار البشائر الإسلامية،

بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٣٢هـ-٢٠١١م

(٨٤)**كتاب التاريخ الكبير** للإمام الحافظ أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري(ت٢٥٦هـ)،مطبوعة:دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م

(٨٥)**كتاب المبسوط** لشمس الأئمة محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي أبي بكر الفقيه الحنفي(ت٤٨٣هـ)،مطبوعة:دار الفكر،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م

(٨٦)**الكافي** للشيخ الإمام أبي البركات عبد الله بن أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفي(ت٧١٠هـ)،مخطوط مصوّر

(٨٧)**كنزالايمان** لإمام أهل السنة الحاج الحافظ القاري الشاه أحمد رضا خان الحنفي (ت١٣٤٠هـ)

(٨٨)لآلئ المحار في تخريج مصادر ابن عابدين للؤي بن عبد الرؤوف الخليلي الحنفي، مطبوعة:دار الفتح،عمّان

(٨٩)**المصنّف** للإمام الحافظ أبي بكر عبد الرزاق بن همّام بن نافع الصنعاني (ت٢١١هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤٢١هـ -٢٠٠٠م

(٩٠)**المعجم الكبير** للإمام الحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي الطبراني(ت٣٦٠هـ)،مطبوعة:دار إحياء التراث العربي، بيرورت،١٤٢٢هـ-٢٠٠٢م

(٩١)**المعجم الأوسط** للإمام الحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي الطبراني(ت٣٦٠هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م

(٩٢)**مختصر القدوري** للإمام أبي الحسين أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان القدوري البغدادي الحنفي(ت٤٢٨هـ)،مطبوعة:دار الكتب

العلمية،بيروت،الطبعة الأولى١٤١٨ه-١٩٩٧م
(٩٣)**مختصر القدوری** للإمام أبی الحسين أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان القدوری البغدادی الحنفی(ت٤٢٨ه) مع شرحه الجوهرة النيرة،مطبوعة:دار الکتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولی١٤٢٧ه-٢٠٠٦م
(٩٤)**المحيط السرخسی** للإمام العلامة الفقيه برهان الإسلام رضی الدين محمد بن محمد السرخسی الحنفی(ت٥٧١ه)،مخطوط مصوّر
(٩٥)**المحيط البرهانی** للإمام برهان الدين أبی المعالی محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر البخاری الحنفی المعروف بابن مازة (ت٦١٦ه)، مطبوعة:إدارة القرآن،کراتشی
(٩٦)**المنهاج شرح صحيح مسلم** للإمام يحی بن شرف النووی الدمشقی الشافعی (ت٦٧٦ه)،مطبوعة:دار الکتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولی١٤٢١ه-٢٠٠٠م
(٩٧)**مجمع البحرين و ملتقى النهرين** للإمام مظفر الدين أحمد بن علی بن تغلب بن أبی الضياء البغدادی البعلبکی الأصل المعروف بابن الساعاتی الحنفی (ت٦٩٤ه) ، مطبوعة:دار الکتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولی ١٤٢٦ه-٢٠٠٥
(٩٨)**مشکاة المصابيح** للعلامة الشيخ ولی الدين أبی عبد الله محمد بن عبد الله الخطيب التبريزی(ت٧٤١ه)،مطبوعة:دار الکتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولی١٤٢٤ ه -٢٠٠٣م
(٩٩)**ملتقى الأبحر** للشيخ الإمام إبراهيم بن محمد الحلبی الحنفی (ت٩٥٦ه)،مطبوعة:دار البيروتی،دمشق،الطبعة الثانية١٤٢٦ه -٢٠٠٥م
(١٠٠)**مرقاة المفاتيح** للعلامة نور الدين علی بن سلطان القاری الهروی الحنفی (ت١٠١٤ه)،مطبوعة:دار الکتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولی ١٤٢٢ ه- ٢٠٠١م

(١٠١)**مراق الفلاح نور الإيضاح** للعلّامة أبي الإخلاص حسن بن عمّار بن يوسف الوفائى المصرى الشرنبلالى الحنفى(ت١٠٦٩ه)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولى١٤١٥ه-١٩٩٥م

(١٠٢)**مرأة المناجيح** للمفتى أحمد يار خان النعيمى الحنفى (ت١٣٩١ه) ، مطبوعة:قادرى بيلشرز،لاهور،طبعة:٢٠٠٩م

(١٠٣)**نزهة القارى** للمفتى محمد شريف الحق الأمجدى الحنفى (ت١٤٢٢ه)، مطبوعه:فريد بك استال،لاهور،الطبعة الثانية١٤٢٨ه -٢٠٠٧م

(١٠٤)**الوقاية** للإمام تاج الشريعه محمود بن أحمد بن عبيد الله بن إبراهيم المحبوبى الحنفى (ت فى حدود ٦٧٣ه) مع شرحه لصدر الشريعة،مطبوعة:دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى٢٠٠٩م

(١٠٥)**الهداية شرح بداية المبتدى** لشيخ الإسلام برهان الدين على بن أبى بكر المرغينانى الحنفى(ت٥٩٣ه)،مطبوعة:دار الأرقم،بيروت

العروة في الحج والعمرة

فتاویٰ حج وعمرہ

مؤلف

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی

(رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

مرتب

حضرت علامہ مولانا محمد عرفان قادری ضیائی مدظلہ العالی

(ناظم اعلیٰ جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

ناشر

جمعیتِ اشاعتِ اہلسنّت پاکستان

طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم

موٴلف

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی

(رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

مرتب

حضرت علامہ مولانا محمد عرفان قادری ضیائی مدظلہ العالی

(ناظم اعلیٰ جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

ناشر

جمعیتِ اشاعتِ اہلسنّت پاکستان

جمعیّت اشاعتِ اہلسنّت پاکستان کی سرگرمیاں

مدارسِ حفظ وناظرہ (للبنین، للبنات)

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت صبح، دوپہر اور رات کو حفظ وناظرہ کے مختلف مدارس لگائے جاتے ہیں جہاں قرآنِ پاک حفظ وناظرہ کی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔

درسِ نظامی (للبنین، للبنات)

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت صبح، دوپہر اور رات کے اوقات میں ماہر اساتذہ کی زیرِ نگرانی درسِ نظامی کی کلاسیں لگائی جاتی ہیں۔

تخصص فی الفقہ الإسلامی

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت رات کے اوقات میں ماہر اساتذہ کی زیرِ نگرانی تخصص فی الفقہ الإسلامی کی کلاسیں لگائی جاتی ہیں۔

دارالإفتاء

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت مسلمانوں کے روزمرہ کے مسائل میں دینی رہنمائی کے لئے عرصہ دراز سے دارالإفتاء بھی قائم ہے۔

مفت سلسلۂ اشاعت

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت ایک مفت اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہے جس کے تحت ہر ماہ مُتقدد علماء اہلسنّت کی کتابیں مفت شائع کر کے تقسیم کی جاتی ہیں۔ خواہش مند حضرات نور مسجد سے رابطہ کریں۔

کُتب لائبریری

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت ایک لائبریری بھی قائم ہے جس میں مختلف علماء کرام کے نادر ونایاب مخطوطات، عربی و اردو کُتب مطالعہ کے لئے دستیاب ہیں۔

روحانی پروگرام

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت ہر اتوار عصر تا مغرب ختمِ قادریہ اور خصوصی دعا۔ تسکینِ روح اور تقویتِ ایمان کے لئے شرکت کریں۔

النور اکیڈمی

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت دینی و دنیاوی تعلیم کے حَسین امتزاج سے اپنے بچوں اور بچیوں کو مزین کریں۔ صبح کے اوقات میں رابطہ فرمائیں۔

درسِ شفاء شریف

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت
کے تحت خواتین کے لئے ہر پیر و منگل صبح دس سے گیارہ بجے درس ہوتا ہے جس میں شرکت کے لئے صبح کے اوقات میں رابطہ فرمائیں۔